درسِ ختمِ بخاری

(چودہ اجلاساتِ ختمِ بخاری کا مجموعہ)



افادات

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیۃ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل، گجرات

تبویب وتبییض وتخریج وترتیب

دارالحمد ریسرچ انسٹیٹیوٹ

سوداگر واڑہ، سورت، گجرات، ہند

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (الانبیاء:۴۷)﴾

درسِ ختمِ بخاری

(۱۴؍ اجلاساتِ ختمِ بخاری کا مجموعہ)

افادات

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیۃ

﴿شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات﴾

تبویب وتبییض وتخریج وترتیب

دار الحمد ریسرچ انسٹیٹیوٹ، سورت

ناشر

مدرسہ حمیدیہ، ڈربن

Madrasah Hamidiyya,17,Antelope Place,

Overport,Durban

کتاب کا نام: درسِ ختمِ بخاری

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیۃ

تبویب وتبییض وتخریج وترتیب:

دارالحمد ریسرچ انسٹیٹیوٹ، سوداگرواڑہ، سورت، گجرات

darulhamd2017@gmail.com

+91 7016565842, +91 9537860749

ناشر: مدرسہ حمیدیہ، ڈربن

Madrasah Hamidiyya

17, Antelope Place

Overport

Durban

حضرت اقدس دامت برکاتہم کے دروس، وعظ، مختصر نصائح اور اردو، گجراتی، انگریزی کتب ویب سائٹ پر موجود ہیں، شائقین ضرور ملاحظہ فرمائیں:

www.MuftiAhmedKhanpuri.com

www.YouTube.com/MuftiAhmedKhanpuri

یہ کتاب کل ۱۴؍اجلاساتِ ختمِ بخاری کا مجموعہ ہے۔

نمبر شمار	بہ مقام	تاریخ
۱	مدرسہ فیضان القرآن، احمد آباد	۲۸-۰۴-۲۰۱۶
۲	مدرسہ نور الاسلام، دمن	۱۲-۰۴-۲۰۱۷
۳	جامعہ نقیب الاسلام، کاوی	۱۵-۰۴-۲۰۱۷
۴	جامعہ خیر العلوم، ادگاؤں	۳۰-۰۴-۲۰۱۷
۵	دار القرآن والحدیث، ٹنکاریہ	۲۲-۰۳-۲۰۱۸
۶	دار العلوم بنجاری، مہو، اندور	۰۳-۰۴-۲۰۱۸
۷	مدرسہ نور الاسلام، دمن	۰۴-۰۴-۲۰۱۸
۸	مدرسہ فیضان القرآن، احمد آباد	۰۸-۰۴-۲۰۱۸
۹	جامعہ خیر العلوم، ادگاؤں	۲۱-۰۴-۲۰۱۸
۱۰	مدرسہ نور الاسلام، دمن	۱۷-۰۳-۲۰۱۹
۱۱	مدرسہ فیضان القرآن، احمد آباد	۲۶-۰۳-۲۰۱۹
۱۲	جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل	۲۸-۰۳-۲۰۱۹
۱۳	دار العلوم شیرولی، شیرولی	۰۷-۰۴-۲۰۱۹
۱۴	دار العلوم تعلیم المسلمین، لوناواڑا	۱۱-۰۴-۲۰۱۹

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْن، سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا وَحَبِيْبِنَا وَشَفِيْعِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِه وَأَصْحَابِه أَجْمَعِيْن.

أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ الله،(۱) وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّي اللّٰهُ تعَالٰى علَيْهِ وَسَلَّمَ (۲) وَخَيْرُ الْأُمُوْرِ عَوَازِمُهَا(۳) وَشَرُّ الْأُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِيْ النَّار.(۴)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ تبارَكَ وتَعالٰى، ارْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ.(۵)

وَبِالسَّنَدِ الْمُتَّصِلِ مِنَّا إِلَى الْإِمَامِ الْهُمَامِ الْحَافِظِ الْحُجَّةِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الْحَدِيْثِ أَبِي عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِي رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى وَنَفَعَنَا بِعُلُوْمِه. قَالَ:

بَابُ قَوْلِ اللهِ تَعَالٰى: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (الانبیاء:۴۷) وَأَنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوزَنُ، وَقَالَ مُجَاهِدٌ: الْقُسْطَاسُ: الْعَدْلُ

(۱) مسند أحمد (۱۴۹۸۴) وصحيح مسلم (۸۶۷/۴۳) والمنتقىٰ لابن الجارود (۲۹۷).

(۲) مسند أحمد (۱۴۴۳۱) وصحيح البخاري (۶۰۹۸، ۷۲۷۷) وسنن النسائي (۱۳۳۱، ۱۵۷۸) وصحيح ابن خزيمة (۱۷۸۵) وغيرها.

(۳) دلائل النبوة (۲۴۱/۵) وجزء القاسم بن موسى (۴۸) والحنائيات (۱۹۷) [۲۰۵].

(۴) مسند أحمد (۱۴۳۳۴) وصحيح البخاري (۷۲۷۷) وصحيح ابن خزيمة (۱۷۸۵).

(۵) سنن أبي داود (۴۹۴۱) وسنن الترمذي (۱۹۲۴) وشعب الإيمان (۱۰۵۳۷) وغيرها.

بِالرُّومِيَّةِ، وَيُقَالُ: القِسْطُ: مَصْدَرُ المُقْسِطِ وَهُوَ العَادِلُ، وَأَمَّا القَاسِطُ فَهُوَ الجَائِرُ.

حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ القَعْقَاعِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ : سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ.

حدیث رحمت (الحدیث المسلسل بالاولیۃ):

میں نے آپ کے سامنے خطبے میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی جو روایت پیش کی، وہ حدیثِ مسلسل بالاولیہ ہے۔ ہر راوی نے اپنے مروی عنہ اور ہر شاگرد نے اپنے استاذ سے سب سے پہلے یہی حدیث سنی۔ میں نے آج سے پچاس سال پہلے رجب ۱۳۸۷ھ میں اپنے شیخ ومرشد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے سب سے پہلے یہ روایت سنی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ ومرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے، اُنہوں نے حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ جو حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے (جو حضرت سید صاحب کی جماعت میں شیخ الاسلام کے لقب سے ملقب تھے)۔ اُنہوں نے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے، اور اُنہوں نے اپنے نانا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے اپنے والدِ بزرگ وار حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے سب سے پہلے یہ روایت سنی۔ آگے کی سند الفَضْلُ الْمُبِيْنُ

فِيْ الْحَدِيْثِ الْمُسَلْسَلِ عَنِ النَّبِيِّ الأَمِيْنِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں دیکھی جاسکتی ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ؛ "مسلسلات" کے نام سے معروف ہے۔

آپ کا بھی یہ تسلسل باقی رہے اس لیے میں نے آپ کے سامنے یہ حدیث پڑھی۔ یاد رہے کہ یہ تسلسل حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ تک ہی ہے۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے اپنے استاذ ابو قابوس رحمۃ اللہ علیہ سے، انہوں نے اپنے آقا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے اور ان کا حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے پہلے اس حدیث کا سماع ثابت نہیں ہے۔ ہاں! حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے اخیر تک یہ تسلسل ہے۔

"بردزبہ" نہ پڑھا جائے:

آپ حضرات نے سند کے اتصال کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اسمِ گرامی کے ساتھ ان کے آباء کے نام پڑھے، اس میں اخیر میں "بردزبہ" کو پڑھنے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ وہ ایمان نہیں لائے تھے، لہٰذا "مغیرہ" پر ختم کر دیا جائے۔ اس لیے کہ آگے رَحِمَهُمُ الله بھی پڑھا جاتا ہے اور غیر مؤمن کے لیے دعاء رحمت و مغفرت نہیں کی جاسکتی۔ آئندہ احتیاط رکھیں۔

حدیث کا ترجمہ:

تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو اللہ کی مخلوق پر رحم کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ رحمت اور مہربانی کا معاملہ فرماتے ہیں۔

رحم کرو تم اہل زمیں پر   خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

تعارف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۳/شوال ۱۹۴ھ بروز جمعہ بخارا میں ہوئی۔ (۱) آپ نے وہیں علم حاصل کیا، مزید حصولِ علم کے لیے اسلامی ممالک کے سفر بھی کیے۔ آپ کے اساتذہ کی کل تعداد ۱۰۸۰/ رہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ کے مجموعے کو ایک خاص انداز سے مرتب فرمایا۔

عناوین واحادیث کی تعداد:

بہ قول علامہ ابن الصلاح رحمہ اللہ: آپ نے اس مجموعے میں مکررات کے ساتھ ۷۲۷۵/ احادیث کو جمع کیا ہے۔ (۳) اس میں بڑے بڑے عنوانات جن کو "کتاب" کہا جاتا ہے؛ وہ ہندوستانی نسخے کے اعتبار سے ۸۳/ ہیں اور مصری نسخوں میں ۹۷/ ہیں۔ ان کتب کے عنوان کے ماتحت جو چھوٹے عنوانات قائم کیے جاتے ہیں ان کو "أبواب" کہا جاتا ہے۔ یہ ہندوستانی نسخوں کے حساب سے ۳۸۸۶/ اور مصری نسخوں کے حساب سے ۳۹۱۸/ ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مجموعے کو بے پناہ قبولیت عطا فرمائی۔

دورہ؛ نہ کہ دہرہ:

امام بخاری رحمہ اللہ سے ان کی زندگی میں ۹۰/ ہزار شاگردوں نے یہ کتاب پڑھی (۴) اور

(۱) مقدمة ابن الصلاح (ص:۳۸۵) وتهذيب الأسماء واللغات (۱/۶۸).

(۲) ترجمة الإمام البخاري للذهبي (ص:۳۵).

(۳) مقدمة ابن الصلاح (ص:۲۰) [ت: عتر].

(۴) تاريخ بغداد (۲/۱۰) وطبقات الحنابلة (۱/۲۷۴) ومطالع الأنوار على صحاح الآثار (۱/۲۷) وتاريخ دمشق (۵۲/ ۷۴) وتهذيب الكمال (۲۴/۴۴۳) وغيرها.

اب تک یہ مبارک سلسلہ جاری ہے۔ ہمارے مدارس عربیہ میں اس کتاب کو بڑے اہتمام سے پڑھایا جاتا ہے۔ مدارس عربیہ میں درسِ نظامی کے آخری سال میں صرف احادیث کی کتابیں داخلِ درس ہوتی ہیں۔اس لیے اس سال کو دورۂ حدیث کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لفظ ''دور'' یعنی تکرار سے ہے (بعض لوگ اسے ''دہرۂ حدیث'' بولتے ہیں، جو درست نہیں ہے) گویا صبح سے لے کر شام تک احادیث ہی کا تکرار ہوتا ہے۔ان میں صحاح ستہ کے علاوہ موطین، شمائل اور شرح معانی الآثار، یعنی کل ۱۱؍ کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

صحیح بخاری، پورا نام شاندار کام:

بخاری شریف کا نام ''الجَامِعُ الْمُسْنَدُ الصَّحِيْحُ الْمُخْتَصَرُ مِنْ أُمُوْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُنَنِهٖ وَاَيَّامِهٖ'' ہے۔لمبا نام ہونے کی وجہ سے مختصراً مؤلف کی طرف نسبت کرتے ہوئے بخاری شریف کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سولہ سال کے عرصے میں اِس کتاب کو مرتب فرمایا ہے۔ پہلے چھ لاکھ احادیث میں سے ایک لاکھ احادیث کو الگ کیا، پھر اُن میں سند کے اعتبار سے جو زیادہ صحیح تھیں؛ ان کا انتخاب کیا۔اور ہر حدیث کو کتاب میں درج کرنے سے پہلے تازہ غسل اور دو رکعت صلاۃ الاستخارہ پڑھ کر، اس کی سندوں میں غور کر کے اصح ترین روایت کو اپنی کتاب میں شامل کیا[1] اس طرح اس کتاب کو مرتب کیا۔

بخاری کی شانِ تفقہ؛ تراجمِ ابواب:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو مختلف ابواب میں مرتب فرمایا ہے۔ اور احادیث

---

(۱) تاریخ الإسلام (۱۹/ ۱۷۴) وطبقات الشافعیة الکبریٰ (۲/ ۲۲۰) وفتح الباري (۱/ ۴۸۹).

پر جو تراجم قائم کیے ہیں، وہ اس کتاب کے خصائص اور امتیازات میں شمار کیے جاتے ہیں۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے بہت سے ابواب قرآنی آیات سے قائم کیے ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ کی خصوصیت ہے، اسی میں ان کی فقاہت کی شان جھلکتی ہے۔ مشہور جملہ ہے: فِقْهُ الْبُخَارِيْ فِيْ تَرَاجِمِهٖ (١) اگر آپ امام بخاری رحمہ اللہ کی شان تفقہ دیکھنا چاہیں، تو ان کے تراجم الابواب میں دیکھ سکتے ہیں۔

دیگر ائمہ کی شان:

صحاح ستہ کے دیگر مؤلفین نے ابواب قائم کرنے میں مختلف انداز اختیار کیے ہیں۔
امام مسلم رحمہ اللہ نے کوئی عنوان ہی قائم نہیں کیا، انہوں نے لوگوں کو یہ بتلانا چاہا کہ میرا کام تو صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات امت کے سامنے پیش کرنا ہے۔ لہٰذا ان کو پیش کر دیا اور اپنی طرف سے ان احادیث پر کوئی عنوان قائم نہیں کیا۔ پڑھنے والے خود اس سے جو حکم ثابت ہوسکتا ہے وہ معلوم کرلیا کریں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ، امام ابوداود رحمہ اللہ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے احادیث سے جو مسائل واحکام صراحۃً مستنبط ہوتے تھے، اسی انداز سے ابواب قائم کیے ہیں۔ لیکن وہ جزرسی اور تعمق جو امام بخاری رحمہ اللہ نے کیا وہ ان کتب میں نہیں۔ البتہ امام

---

(١) فتح الباري (١/١٣، ١/٢٤٣)

علامہ کشمیری رحمہ اللہ العرف الشذي (١/٣٥) میں فرماتے ہیں: فقهُ البخاري في تراجمه وله محملان:

أحدهما: أن مسائل الفقه المختارة عنده تظهر من تراجمه.

وثانيهما: أن ذكاءه يظهر من تراجمه، والبخاري سابق الغايات في وضع التراجم، فإنه قد تحيرت العقلاء فيها، وسهل التراجم تراجم الترمذي وتراجم أبي داود أعلى من تراجم الترمذي، واقتفى النسائي في تراجمه أثر شيخه البخاري ، وبعض تراجمها متحدة حرفاً حرفاً ومستبعد، والله تعالىٰ أعلم سيما إذا كان النسائي من تلامذة البخاري، وما وضع مسلم بنفسه التراجم اهـ. (ابوزرعہ)

نسائی رحمہ اللہ نے کچھ کچھ امام بخاری رحمہ اللہ جیسا طرز و انداز اختیار کیا ہے۔

آخری کتاب کون سی؟ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے:

بہر حال یہ اس کتاب کا آخری باب ہے جو ابھی آپ پڑھ رہے ہیں۔

بَابُ قَوْلِ اللّٰہِ تَعَالىٰ : وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَأَنَّ أَعْمَالَ بَنِيْ أٰدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَن.

عام طور پر حضرات شراح فرماتے ہیں کہ الجامع الصحیح کی آخری کتاب "كِتَابُ التَّوْحِيْد" ہے، لیکن حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخری کتاب "كِتَابُ الْاِعْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ" ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ انداز ہے کہ جب وہ کسی کتاب کا عنوان قائم کرتے ہیں تو اسی کے ضمن میں اس کتاب کی اضداد بھی ذکر کرتے ہیں۔ مشہور جملہ ہے: وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَاءُ؛ عام طور پر کسی چیز کے مخالف اور ضد کو جب بیان کیا جاتا ہے، تو اس کی وجہ سے اس کو سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ جیسے شروع میں كِتَابُ الْإِيْمَان قائم کیا تھا، تو اسی میں انہوں نے "بَابُ كُفْرٍ دُوْنَ كُفْرٍ، بَابُ ظُلْمٍ دُوْنَ ظُلْمٍ، بَابُ الْمَعَاصِيْ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ" جیسے ابواب بھی قائم کیے تھے جو ایمان کے اضداد کو بتلاتے ہیں۔

اسی طرح "كِتَابُ الاسْتِسْقَاء" میں "بَابُ دُعَاءِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ" (اے اللہ! ان پر ایسی قحط سالیاں مسلط کر دے جیسا حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں سات سال قحط ہوا) جب قریش نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی تو اس موقع پر ان کے لیے آپ نے یہ بد دعا مانگی تھی: اے اللہ! تو ان کی گرفت

فرما، جس طرح حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں قحط کے سات سال مسلط کیے گئے تھے ایسے ہی سال ان پر بھی مسلط فرما۔ یہ تو بارش کے اٹھانے کی دعا کی جارہی ہے، حالاں کہ کِتَابُ الاسْتِسْقَاء میں طلب باراں کا بیان چل رہا ہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسی طرح آخری کتاب کِتَابُ الْاعْتِصَامِ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ ہے جس میں کتاب وسنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کی تاکید کی گئی ہے اور اس کی ضد بدعات ہیں۔ لہٰذا ان کو کِتَابُ التَّوْحِیْد کے عنوان کے تحت ضمیمے کے طور پر اپنی خاص عادت کے اعتبار سے ذکر کر دیا۔ (۱)

ایک اشکال اور جواب:

اب ایک اشکال یہ ہوگا کہ کِتَابُ الْاِیْمَان اور کِتَابُ الاسْتِسْقَاء میں اضداد کو ”ابواب“ کے ماتحت ذکر کیا اور کِتَابُ الاِعْتِصَامِ بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ میں اس کی ضد کو ”کتاب“ کے ماتحت ذکر کیا، ایسا کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان جگہوں میں اضداد چند چیزیں ہی تھیں اس لیے ان کو ”باب“ کے تحت ذکر کیا، لیکن یہاں بدعات اور عقائد میں ایک دو نہیں بلکہ فرقِ باطلہ کی لازم کردہ بہت ساری چیزیں تھیں، اس لیے ان کو بیان کرنے کے لیے ”کتاب“ کا عنوان کر دیا۔ یہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کا رجحان ہے ورنہ عام حضراتِ شراح تو اس کو علیحدہ کتاب ہی مانتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) الأبواب والتراجم (۶/۷۴۲).

(۲) الأبواب والتراجم (۶/۷۴۲).

مقصدِ ترجمہ:

اس باب کو قائم کرنے کا مقصد اور غرض کیا ہے؟ اس سلسلے میں دو قول بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس باب کو قائم کرنے سے مقصود تلاوت اور متلو کے درمیان کے فرق کو واضح کرنا ہے۔ [1] چوں کہ یہ وہ مسئلہ تھا، جس میں امام بخاری رحمہ اللہ کو ابتلا پیش آیا۔ جب آپ نیشاپور تشریف لے گئے تھے۔

مسئلۂ خلق قرآن:

ایک مسئلہ اہلِ علم کے درمیان موضوعِ بحث بنا تھا، وہ یہ کہ قرآنِ پاک - جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے- مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ معتزلہ پر عقلیت کا غلبہ تھا۔ جب مامون الرشید عباسی نے اپنے دورِ خلافت میں اہلِ یونان کے علومِ عقلیہ کو یونانی زبان سے عربی میں منتقل کیا، منطق اور فلسفے کی کتابیں عربی زبان میں منتقل ہوئیں، تو ان کو پڑھنے کے بعد بہت ساری بحثیں اسلامی احکام اور عقائد سے متعلق مسلمانوں کے اندر عام ہوئیں۔ بہت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اسلامی احکام اور عقائد کو عقل کی ترازو میں تولنا چاہا۔ آپ نے شرحِ عقائد میں پڑھا ہوگا کہ معتزلہ کا تو طرۂ امتیاز یہی تھا کہ وہ ہر چیز کو عقل سے جانچنے کی کوشش کرتے تھے۔ اگر عقل کسی بھی حکمِ شرعی یا عقیدے کو قبول کرنے سے انکار

---

(۱) علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الصوّاعق المرسلة على الجهمية والمُعَطِّلة میں اس مسئلے کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے، نیز علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فيض الباري میں اس باب سے ماقبل متصل چند ابواب میں اس بات کو الفرق بين الوارد والمورِد کہہ کر بیان کیا ہے۔

کرتی، تو وہ اس میں تاویل کیا کرتے تھے۔ چناں چہ اسی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوئے۔ یہ مسئلہ اس زمانے میں چھڑا۔ جب کہ اربابِ اقتدار کے یہاں معتزلہ کا نظریہ رکھنے والے لوگوں کو بڑا قرب واختصاص حاصل تھا، اس زمانے میں وزارت اور دیگر عُہدوں پر عامۃً یہی لوگ قابض تھے۔ لہٰذا اس مسئلے میں مزید شدت پیدا ہوئی۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ''کلام'' متکلم کی صفت ہوا کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اس معنیٰ میں متکلم مانتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کلام کو پیدا فرمایا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ صفتِ کلام سے متصف ہیں، نہ یہ کہ خود صفتِ کلام اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ عالی کے ساتھ قائم ہے۔ لہٰذا وہ کلام کو مخلوق مانتے تھے۔ اور اسی وجہ سے قرآن – جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے – کو بھی مخلوق قرار دیتے تھے۔

جرأتِ امام احمد رحمہ اللہ اور فتحِ حق:

بہر حال! اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کے موقف کو بڑی قوت سے پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''اَلْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ غَيْرُ مَخْلُوْقٍ'' (قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے غیر مخلوق ہے) یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ہے، ویسے ہی صفت بھی قدیم ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

ان کی اس حق گوئی، جرأت اور استقامت پر ان کو بڑی آزمائش سے گذرنا پڑا۔ ان کو ۲۸/ مہینے تک جیل میں رکھا گیا۔ (۱) روزانہ جیل سے نکالے جاتے، تازہ، توانا اور بھاری بھرکم جلاد ۲/ کوڑے مارتا۔ (۲) راوی کہتے ہیں کہ کوڑا ایسا سخت ہوتا تھا کہ اگر ایک

(۱) سیرۃ الإمام أحمد لابنہ صالح (ص: ۵۱) ومناقب الإمام أحمد لابن القیم (ص: ۴۴۳).

(۲) سیر أعلام النبلاء (۱۱/۲۵۲) وطبقات الشافعیۃ الکبریٰ (۲/۵۰) وغیرھما.

کوڑا اہا تھی کو مارا جائے تو وہ بھی چلانے لگ جائے۔ (۱) لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر بھی صبر کیا۔ آخر ایک دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارے بادل چھانٹ دیے، اور اہل السنۃ و الجماعۃ کے موقف ومسلک کو لوگوں میں عام کیا اور اُسی کا غلبہ ہوا۔

بعض حنابلہ کا غلو اور اس کے نتائج:

پھر اسی مسئلے میں اہل السنۃ والجماعۃ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ماننے والوں میں سے بعض- جو غلو کا شکار تھے- نے کہنا شروع کیا کہ قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ لہٰذا قرآنِ پاک کے اوراق، حروف، روشنائی، سب غیر مخلوق ہیں۔ اور جب آدمی اِس قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہے، تو اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ جو تلاوت کی شکل میں لوگوں کے کانوں تک پہنچتے ہیں، وہ بھی غیر مخلوق اور قدیم ہیں۔ اسی غلو کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو کھڑا کیا۔

محققین کی نپی تلی بات:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اُس زمانے میں اِس مسئلے کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے- جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے- وہ تو قدیم اور غیر مخلوق ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے اِس کلام کو بندے جب اپنی زبان سے پڑھیں گے، مثلاً: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (الفاتحۃ: ۲-۱) میری زبان سے یہ کلمات ادا ہو رہے ہیں۔ میری یہ ادائیگی اور الفاظ مخلوق ہیں، اس لیے کہ میں خود مخلوق ہوں۔ یہ ایک واضح اور بدیہی چیز تھی، لیکن غلو کرنے والوں نے اِس مسئلے کو اُلجھا

---

(۱) سیر أعلام النبلاء (۲۹۵/۱۱).

دیا اور "لَفظِي بِالْقُرآنِ مَخْلُوقٌ" کا جملہ ان محققین نے خلاصے کے طور پر بولا۔

البتہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کلمے کو بولنا مناسب قرار نہیں دیتے تھے، بدعت سے تعبیر کرتے تھے، اِس لیے کہ اس میں معنوی اعتبار سے ایک ایسا پہلو بھی نکلتا ہے جس سے اہلِ باطل اپنے موقف کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ اِس لیے امام صاحب رحمہ اللہ نے اِس کی اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن مسئلے کو واضح کرنے کے لیے حضرات محققین اس جملے کے بولنے پر مجبور تھے۔

......اور فتنہ بھڑک گیا:

جب امام بخاری رحمہ اللہ کا حلقۂ درس نیشاپور میں قائم ہوا، تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑے، اس موقع پر ایک آدمی نے بھری مجلس میں امام صاحب رحمہ اللہ سے سوال کیا: "مَا تَقُوْلُ فِيْ اللَّفْظِ بِالْقُرآنِ؟" تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اُس زمانے میں جو جملہ مشہور تھا "لَفظِي بِالْقُرآنِ مَخْلُوقٌ" -جس کے تکلم کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بدعت قرار دیا تھا-(۱) استعمال نہیں کیا، لیکن جواب میں فرمایا: أَفْعَالُنَا مَخْلُوقَةٌ، وَأَلْفَاظُنَا مِنْ أَفْعَالِنَا (ہمارے تمام افعال مخلوق ہیں، کیوں کہ ہم مخلوق ہیں)(۲) قرآن کریم میں بھی وارد ہے: وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (الصافات:۹۶) (حالاں کہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اس کو بھی)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آزمائش میں......:

بہر حال! بات تو وہی تھی۔ بس اُس آدمی نے کہا: دیکھو! انہوں نے جواب میں کہا: لَفظِي بِالْقُرآنِ مَخْلُوقٌ حالاں کہ یہ جملہ امام صاحب رحمہ اللہ نے اپنی زبان سے ادا نہیں

---

(۱) السنة لعبد الله بن أحمد (۱/ ۱۶۳-۱۶۴)

(۲) تاريخ دمشق لابن عساكر (۵۲/ ۹۳-۹۲) وسير أعلام النبلاء (۱۲/ ۴۵۸-۴۵۹) وطبقات الشافعية الكبرى (۲/ ۲۳۱)

کیا تھا۔ البتہ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہوں نے اِس جملے کے ذریعے جس چیز کو پیش کیا جاتا ہے، وہ مفہوم اُس عبارت أَفْعَالُنَا مَخْلُوقَةٌ، وَ أَلْفَاظُنَا مِنْ أَفْعَالِنَا کے ذریعے ادا کیا تھا، اور وہ جملہ (لَفْظِي بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقٌ) اِس لیے استعمال نہیں کیا کہ اُس میں موجود دوسرے پہلو سے بچنا چاہتے تھے۔ چناں چہ لوگوں میں یہ بات چل پڑی کہ یہ لَفْظِي بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقٌ کہتے ہیں اور اُس کی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ کے خلاف ایک پورا ماحول پیدا ہو گیا، لوگوں میں اشتعال ہوا، اُن کو وہاں سے نکالا گیا، یہی وہ مسئلہ تھا جس کی وجہ سے اُن کو آزمائش کا شکار ہونا پڑا۔[1] کِتَابُ التَّوحِيد میں جہاں عقائد کے مختلف مسائل کو موضوعِ بحث بنایا ہے، وہیں کلامِ باری کے مسئلے کے سلسلے میں بھی کئی ابواب قائم کیے ہیں، چوں کہ وہ خود اِس مسئلے میں آزمائش کا شکار ہو چکے تھے، اِس لیے وہ اِس کو مختلف انداز اور مختلف پہلوؤں سے واضح کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا اُنہوں نے کئی ابواب میں مختلف انداز سے اِس کو پیش کیا ہے۔

تلاوت مخلوق، متلو غیر مخلوق:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر وزن اعمال کا تذکرہ کیا ہے، یعنی قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ میدان محشر میں پوری انسانیت کا حساب کتاب لیں گے، اس موقع پر باقاعدہ ان کے اعمال کو بھی تولا جائے گا۔ اس مضمون کو قرآن کریم کی کئی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ ان ہی میں سے ایک آیت وہ ہے جو باب کے تحت مذکور ہے۔ اس آخری

---

(۱) علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الصواعق المرسلة علی الجهمية والمُعطِّلة میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے، نیز فتح الباري (۱/ ۴۹۰-۴۹۱) میں یہ واقعہ مکمل مذکور ہے۔

باب کا مقصد بھی بہ قول حافظ ابن قیم اور علامہ انور شاہ کشمیری رحمہما اللہ کے، تلاوت اور متلو کے درمیان فرق کو واضح کرنا ہے (۱) کہ جب بندہ قرآن کی تلاوت کرے گا، تو قرآن (جس کی تلاوت کی جارہی ہے) اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے، وہ غیر مخلوق ہے۔ البتہ بندے جب اپنی زبان سے اس کی تلاوت کررہے ہیں، تو بندوں کا یہ تلفظ مخلوق ہے۔

تلاوت کا وزن ہوگا:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ وَأَنَّ أَعْمَالَ بَنِيْ اٰدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَنُ (ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازوئیں رکھیں گے اور انسانوں کے اعمال اور ان کے اقوال تولے جائیں گے) جب اقوال تولے جائیں گے تو اقوال میں اُن کا فعلِ تلاوت بھی ہے، تو وہ بھی ترازو میں تولا جائے گا۔ رہا قرآن! جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ بھلا اُس کے تولنے کا کہاں سوال پیدا ہوتا ہے؟ اِس طرح امام بخاری رحمہ اللہ اِس باب کو قائم کرکے اُسی مسئلے کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تو اِس باب کی غرض کے سلسلے میں ایک رائے ہے۔

دوسری رائے:

باب کی غرض اور مقصد کے سلسلے میں دوسری رائے جس کو عام شراح نے اختیار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ میزان کو قائم کرنے اور اعمال کے وزن کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ باب جس کتاب کا آخری باب ہے، وہ نسفی رحمہ اللہ کے نسخے میں کِتَابُ

---

(۱) علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الصَّواعِقُ الْمُرسَلَةُ على الجَهْمِية والمُعَطِّلة میں اس مسئلے کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے، نیز علامہ کشمیری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فيض الباري میں اس باب سے ماقبل متصل چند ابواب میں اس بات کو الفرقُ بينَ الْوارِدِ والمورِدِ کہہ کر بیان کیا ہے۔

التَّوْحِيْد ہے، اور اکثر نسخوں میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ہمارے ہندوستانی نسخے میں بھی جہاں یہ کتاب شروع ہوتی ہے، وہاں بھی اتنا ہی عنوان ہے: كِتَابُ التَّوْحِيْد، لیکن مستملی رحمہ اللہ کے نسخے میں ہے: كِتَابُ التَّوْحِيْدِ وَالرَّدِّ عَلَى الْجَهْمِيَّةِ وَغَيْرِهِم۔ چوں کہ اس زمانے میں جہمیہ کا زور زیادہ تھا اس لیے ان کو بہ طورِ خاص ذکر کیا اور ان کے علاوہ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو وَغَيْرِهِم کہہ کر شامل کر لیا۔

اصحاب التوحید

اس کتاب میں امام بخاری رحمہ اللہ توحید سے متعلق کچھ احادیث پیش کر رہے ہیں۔ ''توحید'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور صفات میں یکتا ثابت کرنا، نہ تو کوئی اس کی ذات میں شریک ہے نہ اس کی صفات میں۔ یہاں توحید سے مراد اہل سنت و جماعت کی توحید ہے۔ ایک توحید وہ ہے جس کا دعویٰ جہمیہ بھی کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو أَصْحَابُ التَّوْحِيْد کہتے تھے۔

جہمیہ کا نظریہ:

ابتداءِ اسلام میں جہمیہ نامی ایک فرقہ تھا، جس کی نسبت جہم بن صفوان کی طرف تھی، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کا اقرار و اثبات کرتے تھے، صفات کا انکار کرتے تھے۔ وہ لوگ یوں سمجھتے تھے کہ باری تعالیٰ جس طرح قدیم ہے، اُس کی صفات بھی قدیم ہیں۔ اگر باری تعالیٰ کے لیے ہم صفات کو ثابت کریں گے، تو تعددِ قدماء یعنی کئی خداؤں کو ماننا لازم آئے گا؛ اور یہ چیز توحید کے خلاف ہے۔ لہٰذا توحید کی حقیقت پانے کے لیے انہوں نے صفات کا انکار کیا۔ یہ ان کا ایک نظریہ تھا۔

برعکس نہند نامِ زنگی کافور:

یہ گویا فارسی کی مثل ''برعکس نہند نامِ زنگی کافور'' کے قبیل سے ہے۔ پرانے زمانے میں جو حبشی غلام ہوا کرتے تھے، ان کا اکثر نام کافور رکھا جاتا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ کافور کا رنگ سفید شفاف ہوتا ہے، اور حبشی حضرات کالے ہوتے ہیں۔ اس سے ایک مثل مشہور ہو گئی کہ نام کافور اور رنگ اس کے برعکس۔ یہ اپنے آپ کو أَصْحَابُ التَّوْحِيْد کہتے ہیں اور انہوں نے جس توحید کا دعویٰ کیا وہ ایسی توحید ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی قسم کا کوئی کمال ثابت نہیں ہوتا۔ اس ذات میں کیا کمال ہوسکتا ہے جس میں کوئی صفات ہی نہیں؟ اسی لیے اہلِ سنت و جماعت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات دونوں کے اثبات کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لیے کہ ذات اصل کی پہچان تو اس کی صفات ہی سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ کسی کے تعارف کے وقت کہا جاتا ہے کہ وہ عالم ہے، قاری ہے، مفتی ہے، حافظ ہے وغیرہ۔ کسی ذات کے ساتھ کتنی ہی صفات کیوں نہ لگالی جائیں، اس سے اس کی ذات کا تعدد لازم نہیں آتا۔

ایک لطیفہ:

ایک مرتبہ ایک مسافر رات کے وقت ایک مسافر خانے پہنچا، دروازہ بند تھا۔ اس نے سوچا کہ میں ایسے ہی دروازہ کھٹکھٹاؤں گا، تو آدھی رات کو خادم کھولے گا نہیں۔ اس لیے اس نے اپنا رعب جمانے کے لیے دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے پوچھا گیا ''کون؟''، جواب میں کہنے لگا: حافظ قاری مفتی مولوی...... اندر سے جواب آیا کہ اتنے سارے آدمیوں کی جگہ نہیں ہے۔ جیسا اس خادم نے ایک ہی شخص کی مختلف صفات کو مختلف اشخاص خیال کیا، یہی حال جہمیہ کا بھی ہے۔

توحیدِ ذات اور توحیدِ صفات:

امام بخاری رحمہ اللہ نے کِتَابُ التَّوْحِيْد میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی مختلف صفات کو ثابت کیا ہے۔ صفات کی دو قسمیں ہیں: صفاتِ ذات اور صفاتِ افعال۔ صفاتِ افعال میں سے وزن اعمال کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ چوں کہ مسئلہ عقائد کا ہے، اور ان کے ثبوت کے لیے دلیلِ قطعی کا ہونا ضروری ہے، اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اِس کتاب کے ابواب میں ہر باب میں قرآن کی ایک یا چند آیات پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

خبرِ آحاد سے استدلال کیسے؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے کِتَابُ التَّوْحِيْد میں اکثر روایات ''خبرِ واحد'' ذکر کی ہیں اور خبر واحد ظنی ہے جس سے کسی عقیدے کا اثبات نہیں ہوسکتا۔ لیکن پوری کِتَابُ التَّوْحِيْد کی روایات قدرِ مشترک طور پر تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں۔ قدرِ مشترک تواتر کی ایک قسم ہے؛ یعنی تمام اخبارِ آحاد میں ایک چیز ایسی ہے جو سب میں پائی جاتی ہے۔ جیسے: کوئی آدمی آکر آپ سے کہے کہ ریلوے اسٹیشن کے پاس ایکسیڈنٹ ہوا اور ۲/آدمی کا انتقال ہوگیا۔ دوسرا آدمی آیا اور کہتا ہے کہ ایکسیڈنٹ ہوا اور ۳/آدمی کا انتقال ہوگیا۔ تیسرا آدمی کہتا ہے کہ ایکسیڈنٹ ہوا اور ۴/آدمی کا انتقال ہوگیا۔ بہر حال جو بھی ادھر سے آرہا ہے وہ دو باتیں کہہ رہا ہے: (۱) ایکسیڈنٹ کی اطلاع۔ (۲) افراد کی موت۔ تعداد تو ہر ایک الگ الگ بتلا رہا ہے، اس لیے اس کو شمار نہیں کریں گے۔ لہٰذا یہ دو حقیقتیں ایسی ہیں جو قدرِ مشترک کے طور پر کہی جاسکتی ہیں۔ اس کتاب میں بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے قدرِ مشترک کے طور پر اخبارِ آحاد سے باری تعالیٰ کی صفاتِ ذات وافعال کا اثبات کیا ہے۔

ترازو رکھی جائے گی:

ایک مسئلہ یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ ترازو قائم کریں گے اور اس کے ذریعے بندوں کے اعمال کو تولیں گے، اور فرق ظاہر کیا جائے گا کہ کس کے اعمال وزنی ہیں اور کس کے ہلکے؟ ترازو قائم کرنے کے سلسلے میں قرآنِ پاک اور احادیث میں بہت سی نصوص موجود ہیں، ان ہی نصوص کے پیشِ نظر اہل السنۃ والجماعۃ کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ قیامت کے روز ایک ترازو ہوگی۔ ہم اردو میں جس کو "ترازو" کہتے ہیں، عربی میں اُسی کو مِیْزَان کہا جاتا ہے جس کی جمع مَوَازِیْن ہے، تو جیسے ترازو سے اس میں تولی جانے والی یا اس کے ذریعے ناپی جانے والی چیز کی کمی بیشی یا اس کا وزنی اور ہلکا ہونا معلوم ہوتا ہے، اِسی طرح قیامت کے روز ایک ترازو قائم کی جائے گی، اور اس سے بندوں کے اعمال کا فرق واضح کیا جائے گا۔ اُسی کو "وزن اعمال" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ترازو ایک ہوگی یا زیادہ؟:

مَوَازِیْن جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا؟ کیا کئی ترازوئیں ہوں گی یا ایک ہی ترازو میں سب چیزوں کو تولا جائے گا؟ اس سلسلے میں علماءِ امت کی دو رائے ہیں:

(ا) ایک رائے تو یہ ہے کہ الگ الگ ترازوئیں ہوں گی؛ یا تو اشخاص کے اعتبار سے یا اعمال کے اعتبار سے۔ امام رازی رحمہ اللہ کا رجحان اسی طرف ہے۔(۱)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اشخاص کے اعتبار سے الگ الگ

(۱) تفسیر الرازي (۱۴ / ۲۰۳) حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے الأبواب والتراجم (۶ / ۸۳۴-۸۳۵) میں اس مسئلے کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔

ترازوئیں ہوں گی۔ جتنے بھی لوگ محشر میں ہوں گے، ان سب کے لیے علیحدہ علیحدہ ترازوئیں ہوں گی دوسرے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تعددِ عاملین نہیں بلکہ تعددِ اعمال کے اعتبار سے الگ الگ ترازو ہوں گی۔ جس طرح دنیا میں سونا تولنے کی ترازو الگ ہوتی ہے، غلہ تولنے کی ترازو الگ ہوتی ہے اسی طرح وہاں نماز کے لیے الگ، روزے کے لیے الگ، زکوٰۃ وصدقات کے لیے الگ الگ ترازو ہوں گی۔ (۱)

(۲) دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اگر چہ موازین جمع کا صیغہ ہے لیکن قیامت کے دن ایک ہی ترازو ہوگی اور اسی سے تمام لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ (۲)

ایک اشکال وجواب:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک ہی ترازو ہوگی تو اس کو جمع کے صیغے سے کیوں تعبیر کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بہت سی مرتبہ ایک ہی چیز کو اس کی عظمت اور بڑائی کے پیشِ نظر جمع کے صیغے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے لکھنؤ والوں کی تو زبان ہی اس طرح ہے۔ ہم آئیں گے، ہم گئے، ہم نے یہ کیا، حالاں کہ فاعل ان سب جگہوں پر ایک ہی ہوتا ہے۔

اس ترازو کی بڑائی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ابوالقاسم لالکائی رحمہ اللہ نے موقوفاً اور مستدرک حاکم نے مرفوعاً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مقولہ نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز جو میزان ہوگی اس کے دو پلڑے ہوں گے اور اس ایک پلڑے میں زمین اور آسمان

---

(۱) تفسیر القرطبي (۷/۱٦۷) [الأعراف: ۸-۹] (۱۱/۲۹۴) [الأنبیاء: ٤٦-٤۷].

(۲) تفسیر ابن کثیر (۵/۳۰۳) [الأنبیاء: ٤۷] فتح الباري (۱۳/۵۳۷-۵۳۸).

اور ان دونوں میں جو کچھ بھی ہے، سب رکھ دیا جائے تب بھی وہ اس کو سمو لے گا۔[۱] اسی عظمت اور بڑائی کے پیشِ نظر جمع کے صیغے سے تعبیر کیا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ترازو تو ایک ہی ہوگی، لیکن سارے اعمال اسی ایک ترازو سے تولے جائیں گے، ایک ہونے کے باوجود بہت سی ترازوؤں کا کام دے گی، اس معنیٰ کے اعتبار سے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اصحاب اعمال کے تعدد کے پیشِ نظر اس ترازو کے لیے جمع کا صیغہ قرآن میں استعمال کیا گیا۔

الْمَوَازِيْن "مِيْزَان" کی جمع ہے جو اصل میں مِوْزَان تھا (واو ساکن ماقبل مکسور) 'واؤ' کو 'ی' سے بدلا مِيْزَان بن گیا۔ ویسے مَوْزُوْن کی بھی جمع ہو سکتی ہے، لیکن اِس آیت میں یقینی طور پر مِيْزَان ہی کی جمع ہے۔ ہاں! دوسری جگہوں: فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُه (القارعة:٦) (اب جس شخص کے پلڑے وزنی ہوں گے) میں مَوْزُوْن کی جمع ہونے کا احتمال بھی ہے۔

معتزلہ کی منطق:

فرقۂ معتزلہ - جو ہر چیز کو عقل ہی سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے - نے یہ کہا کہ اس سے وزن کرنے کا آلہ اور پیمانہ مراد نہیں، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا روزِ قیامت عدل وانصاف کرنا مراد ہے۔ اسی صفتِ عدل کے ظہور کو تعبیر کرنے کے لیے لفظ مِيْزَان استعمال کیا گیا۔ اس لیے کہ اعمال ایسی چیز ہے جو ترازو میں رکھ کر تولی نہیں جا سکتی۔

مناطقہ نے ہر موجود چیز کے لیے دو جنسیں بتلائی ہیں: جوہر اور عرض۔

---

(۱) المستدرک للحاکم (۸۷۳۹) وشرح أصول اعتقاد أهل السنة (۲۲۰۸).

جوہر کی تعریف مع مثال:

ایک وہ چیز جو خود اپنی ذات کے ساتھ قائم ہے یعنی اپنے قیام میں کسی دوسرے کے تابع نہیں ہے۔ جیسے: مائک (Mic) بہ ذات خود قائم ہے، پھولوں کا گلدستہ بہ ذات خود قائم ہے، اپنے قیام میں کسی دوسری چیز کے تابع نہیں ہے، یہ جوہر ہے۔

عرض مع مثال:

اعراض کیا ہیں؟ اعراض وہ ہوتے ہیں جن کا بہ ذات خود وجود نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے موجود جواہر کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ جیسے: پھولوں کا رنگ؛ سرخ، سفید وغیرہ۔ یا ڈیسک (Desk) کا لمبا، چوڑا اور اونچا ہونا۔ تو لمبائی اور چوڑائی، یہ ایک ایسی چیز ہے جو خود قائم نہیں ہوسکتی، بلکہ جب بھی وہ کہیں پائی جائے گی تو کسی چیز کے ضمن میں ہوگی۔ میں آپ کو کوئی الگ چیز نکال کر نہیں بتا سکتا کہ یہ لمبائی ہے، بلکہ مجھے کسی نہ کسی چیز کا سہارا لینا پڑے گا کہ یہ لمبائی، چوڑائی اور اونچائی ہے۔ اسی طرح سفیدی بھی ایک موجود چیز ہے، لیکن اس کو الگ سے ہاتھ میں لے کر کسی کو بتلا نہیں سکتے۔ بلکہ کسی نہ کسی چیز کے ضمن میں سمجھائیں گے۔ جیسے: سفید کپڑا، سفید گائے، سفید کتاب۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا اپنا مستقل وجود نہیں ہے۔ اسی کو عرض کہتے ہیں۔

اعمال بھی اعراض ہیں:

اعمال ''اعراض'' ہیں۔ جیسے میں بول رہا ہوں، میرے بول اعراض ہیں۔ میں اپنے اس کلام کو ہاتھ میں لے کر یہ بتلانا چاہوں کہ یہ میرا کلام ہے؛ تو ممکن نہیں۔ ابھی

آپ نے اور ہم نے مغرب کی نماز ادا کی، تو اس میں ہم نے کچھ اعمال کیے: تکبیرِ تحریمہ، قیام، قراءت، رکوع، سجود وغیرہ۔ وہ اعمال ہمارے ساتھ قائم ہیں، ہماری نماز کو ہم الگ کر کے نہیں بتلا سکتے، بلکہ جب کوئی نماز پڑھ رہا ہو، تو اُس کی طرف اشارہ کر کے اُن ہی اعمال و افعال کو بتلا کر سمجھایا جائے گا کہ یہ نماز ہے۔ اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد کسی کو بتلانا چاہیں کہ یہ اس کی پڑھی ہوئی نماز ہے، یہ ممکن نہیں۔ اس کا اپنا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے، وہ تو نمازی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ یعنی ہر ایسی چیز جو اپنا مستقل وجود نہ رکھتی ہو، دوسری مستقل وجود رکھنے والی چیزوں کے ساتھ جڑی ہوئی ہو، اس کو عرض کہتے ہیں۔

لہٰذا معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان کے جتنے بھی اعمال ہیں وہ سب اعراض ہیں اور جب ان کا خارج میں کوئی وجود ہی نہیں، تو اُس کو ترازو میں رکھ کر کیسے تولا جائے گا؟ اِس لیے ترازو کا حقیقی معنیٰ جو ہم سمجھتے ہیں یعنی دو پلڑے اور کانٹا؛ وہ مراد نہیں، بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے انصاف سے کام لینے کو اِن نصوص میں ترازو سے تعبیر کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کو وزنِ اعمال کی کیا ضرورت ہے؟:

ان کی دوسری عقلی دلیل یہ بھی ہے کہ ترازو کے ذریعے کسی چیز کی کمی بیشی معلوم کرنے کی ضرورت اس کو ہوتی ہے جو نہیں جانتا۔ مثلاً: ہمارے سامنے کچھ چیزیں ہیں، ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کتنی ہیں، دو کلو یا پانچ کلو؟ تو اُن کو ترازو میں رکھیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو تو ہر چیز کا علم ہے، اس کو کیا ضرورت پیش آئی ترازو قائم کر کے اعمال کی کمی بیشی معلوم کرنے کی؟ معلوم چیز کے لیے بھلا کیوں عمل کیا جائے؟ بلکہ وہ تو ایسی چیزوں کی مقدار بھی جانتا ہے جو ہم اور آپ چاہنے کے باوجود نہیں جان سکتے۔ جیسے: سمندر کے

قطرے، ریت کے ذرے، درختوں کے پتے، ہم نہیں جانتے، لیکن اللہ تعالیٰ تو جانتے ہیں۔

یہ کچھ ایسے دلائل ہیں جن کی بنا پر وہ (معتزلہ) کہتے ہیں کہ اعمال تولے نہیں جائیں گے۔ لیکن جب قرآن میں دیکھا تو لفظِ مِیْزَان اور وَزْن کا تذکرہ ہے، نیز احادیث میں بھی یہ مضمون مذکور ہے، اور قرآن وحدیث کا انکار بھی تو نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے انہوں نے اپنے اس عقلی نظریے کو قرآن وحدیث میں پرونے کے لیے یہ مطلب لیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے روز عدل وانصاف سے کام لیں گے۔ اللہ کی اس صفتِ عدل اور صفتِ انصاف کو تعبیر کرنے کے لیے لفظ مِیْزَان کا استعمال کیا گیا۔ یہ ہے ان کا دعویٰ کہ جہاں بھی قرآن وحدیث میں لفظِ مِیْزَان اور وَزْن کا تذکرہ ہے، اس سے مراد عدل ہے۔

لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے......:

اس کے برخلاف اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں: قرآن اور حدیث میں وارد لفظِ میزان کا مجازی معنیٰ مراد نہیں، بلکہ حقیقی معنیٰ مراد ہے (یعنی عدل وانصاف تو اللہ تعالیٰ کریں گے ہی، لیکن یہاں اس کا استعمال حقیقی معنیٰ میں کیا گیا ہے) جس طرح دنیا میں چیزوں کو تولنے، ان کی کمی بیشی معلوم کرنے اور ناپنے کے لیے ترازوئیں ہوا کرتی ہیں، تو قیامت کے روز بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ترازو قائم کریں گے اور اس کے ذریعے اعمال کو ناپا اور تولا جائے گا۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی عقیدہ ہے۔ اِسی عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ باب قائم کیا ہے۔ باب کے عنوان میں پہلے قرآنِ پاک کی سورۂ انبیاء کی ایک آیت پیش کی: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (الانبیاء:۴۷) (ہم انصاف کی ترازوئیں قائم کریں گے قیامت کے روز)۔

اسی طرح حضور ﷺ نے میزان پر ایمان لانے کو ایمان کا ایک جز اور حصہ قرار دیا ہے۔

وزنِ اعمال پر یقین؛ ایمان کا حصہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری دور میں ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ الصلوۃ والسلام ایک اجنبی شخص کی شکل میں حاضر ہوئے اور نبی کریم ﷺ سے مختلف سوالات کیے: أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِسْلَامِ؟ (اسلام کیا ہے؟) أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِيْمَانِ؟ (ایمان کیا ہے؟) أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْإِحْسَانِ؟ (احسان کیا ہے؟) آپ ﷺ نے ان کے سوال ''ایمان کیا ہے؟'' کے جواب میں ارشاد فرمایا: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ (تم ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر، آخرت کے دن پر اور ہر اچھی، بری تقدیر پر)[1] ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے وَتُؤْمِنَ بِالْمِيْزَانِ (اور تم ایمان لاؤ میزان پر)۔[2]

......حجت قائم ہو سکے:

جن جن چیزوں پر ایمان رکھنا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو تولیں گے۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے، کس نے کیا عمل کیا، ساری تفصیل سے اللہ تعالیٰ واقف ہیں، اور اس کو خود اپنے علم کے لیے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ چوں کہ یہاں دنیا میں کچہریوں میں قانونی طور پر ساری کارروائیاں ہوتی ہیں، میدان حشر میں بھی اسی انداز میں ساری کارروائیاں ہوں گی اور وہاں گواہ طلب کیے جائیں گے۔ اور لوگوں پر حجت پیش

---

(۱) مسند أحمد (۳۷۴) وصحیح البخاري (۵۰، ۴۷۷۷) وصحیح مسلم (۱/۸، ۵/۹، ۱۰/۷) وسنن أبي داود (۴۶۹۵) وغیرها.

(۲) مسند عبد الله بن عمر للطرسوسي (۹).

کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ خود انسانوں پر حجت قائم کرنے کے لیے ترازو قائم کریں گے۔ ہر آدمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے رکھے ہیں جو اس کے نیک و بد اعمال کا سارا حساب کتاب رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو بندے کے ہر قول و عمل سے علیم و خبیر ہیں، لیکن ان کو اسی لیے مامور کیا گیا ہے تا کہ کل کو روزِ قیامت بندوں پر حجت قائم ہو سکے۔

اس کی ایک مثال یوں سمجھیے کہ اگر کسی طالب علم سے کوئی جرم صادر ہوا، مہتمم صاحب جانتے ہیں کہ اس نے یہ جرم کیا ہے، لیکن پھر بھی گواہوں کو بلایا جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو فلاں کام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ گواہ کیوں لائے گئے؟ حالاں کہ مہتمم صاحب تو جانتے تھے، ان کے علم کے لیے گواہوں کو طلب نہیں کیا گیا، بلکہ وہ مجرم اپنے جرم سے انکار نہ کرے، اس پر دلیل قائم کی جا سکے، اس کے لیے گواہ پیش کیے گئے۔ اس کو اتمام حجت کہتے ہیں۔

اسی طرح بندوں کے سامنے ان کے اعمال کو تولا جائے گا اور اس کا نتیجہ وہ خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اور یہ سب کچھ اتمامِ حجت کے لیے ہوگا۔

معتزلہ کا جواب: قیاس مع الفارق:

علامہ ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے جو اس زمانے کے اعتبار سے بہت موزوں اور مناسب تھا کہ عالم تین ہیں: عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت۔ اور تینوں عالموں کے احکام الگ الگ ہیں۔ اس عالم کا حکم الگ ہے۔ عالم برزخ کا حکم الگ ہے۔ عالم آخرت کا حکم الگ ہے۔ کسی ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کر سکتے ہیں۔ عالمِ دنیا کے بہت سارے اقلیم ہیں۔ ایشیا، آسٹریلیا، افریقہ وغیرہ۔ ایک اقلیم کو دوسرے اقلیم پر قیاس

نہیں کر سکتے۔ جیسے: ہمارے یہاں ابھی دوپہر کا وقت ہے، اب اگر کوئی یوں کہے کہ امریکہ میں بھی دوپہر کا ہی وقت ہے، تو اس کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ ہمارے یہاں گرمی ہے، کوئی یوں کہے کہ ساری دنیا میں گرمی ہے؛ تو یہ درست نہیں۔ جب دنیا ہی کے ایک علاقے اور ایک اقلیم کو دنیا کے دوسرے علاقے اور اقلیم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح دنیا کے معاملے پر آخرت کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہنا درست نہیں کہ دنیا میں جب اعراض کو نہیں تولا جا سکتا تو آخرت میں بھی تولا نہیں جا سکتا۔

موجودات کا وجودِ ذہنی اور خارجی:

دنیا میں جتنے بھی موجودات ہیں، ان میں سے ہر چیز کا ایک وجود خارجی ہوتا ہے، اور ایک وجود ذہنی ہوتا ہے۔ جیسے: مائک، درخت، مکان، ڈیسک، کتاب وغیرہ کا ایک وجودِ خارجی ہے، اور یہی ساری چیزیں ہمارے ذہنوں میں بھی ہیں، وہ ان کا وجود ذہنی ہے۔ اب دیکھیے خارج میں تو مکان اور درخت جوہر ہیں، ان کا ایک مستقل وجود ہے۔ یہی مکان، درخت، مائک، کتاب ہمارے ذہنوں میں بھی ہیں اور اس وقت ہمارے ذہن کے تابع ہیں، اس وقت وہ عرض کہلائیں گی۔ ذہنی وجود کے اعتبار سے جو چیز عرض تھی، وہی چیز خارجی وجود کے اعتبار سے جوہر بن گئی۔ ایسے ہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک چیز دنیا کے اندر عرض ہو، اور آخرت میں جوہر ہو۔ الگ الگ وجود کے اعتبار سے الگ الگ حکم لگایا جا سکتا ہے۔ ان اعمال کو آپ دنیوی اعتبار سے اعراض کہتے ہیں، لیکن آخرت میں وہی اعمال جوہر کی شکل اختیار کریں گے۔ یہ تو اس زمانے کے اعتبار سے علامہ ابن قیم جوزیہ رحمہ اللہ نے جواب دیا تھا۔

سائنسی ترقی کا فائدہ:

اب ہمارے دور میں جب سائنس نے ترقی کی، اوراعراض کی مقدار کا معلوم کرنا پہلے ممکن نہیں تھا، اب وہ بھی ممکن ہوگیا ہے۔ جیسے: جسم میں بخار کی مقدار تھرمامیٹر سے، موسمِ سرما و گرما میں سردی اور گرمی کی مقدار، آدمی کے جسم میں گردش کرنے والے خون کا پریشر، انسان کے خون میں کولسٹرول کی مقدار، بجلی کی رفتار اور پاور کی مقدار کا معلوم کرنا ممکن ہے۔ ہر مہینے آپ نے کتنی لائٹ اور بجلی استعمال کی اس کا بِل آپ کے گھر میں آجاتا ہے ورنہ اس لائٹ اور پنکھے میں کہاں یہ قوت ہے کہ وہ بتاسکے کہ مجھے اتنا اتنا استعمال کیا گیا ہے۔ یہ سب ناپنے کا آلہ آج موجود ہے۔ بہرحال اِس وقت تو دنیا میں بھی اعراض کی مقدار معلوم کی جاسکتی ہے، لہٰذا معتزلہ کا اشکال جس بنیاد پر تھا، وہ اب باقی نہیں رہی۔

جب قرآن وحدیث کے نصوص میں میْزَان کا لفظ آیا ہے اور جب تک معنیٔ حقیقی (ترازو) مراد لینا ممکن ہو، اس وقت تک معنیٔ مجازی (عدل وانصاف) کو مراد لینا درست نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد معتزلہ کے نظریے کی تردید ہے۔

"القسط" کی ترکیب: تین اقوال:

(۱) القِسطَ "الْمَوَازِیْن" کی صفت ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صفت اور موصوف میں وحدت، تثنیہ، جمع، تذکیر وتانیث کے اعتبار سے مطابقت ہوا کرتی ہے، اور القِسْط واحد ہے، اور الْمَوَازِیْن جمع ہے، بھلا "القِسْط" اس کی صفت کیسے بن سکتی ہے؟

جواب: القِسْط مصدر ہے، اور مصدر واحد، تثنیہ، جمع، ہر ایک کی صفت بن سکتا ہے آپ نے هِدَایَةُ النَّحو میں مثال پڑھی ہوگی: زیدٌ عدلٌ، زیدانِ عدلٌ، زیدُونَ عدل. تینوں

کے لیے ایک ہی صیغہ ہے۔تو یہاں القِسط مصدر ہے، اِس لیے اُس کو الموازین کی صفت کے طور پر لایا گیا۔

(۲) بعض حضرات نے اس کا مضاف محذوف مانا ہے تقدیرِ عبارت ہے: وَنَضَعُ الْمَوازِيْنَ ذَوَاتِ الْقِسْطِ (ہم ترازو قائم کریں گے انصاف کی) ذوات کا لفظ یہاں محذوف ہے۔تو یہ ذوات مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر الْمَوازِيْن کی صفت بنے گا۔

(۳) بعض نے القِسط کو بہ جائے صفت کے مفعول لہ قرار دیا ہے نَضَعُ الْمَوازِيْنَ لِأَجْلِ الْقِسْطِ کہ ہم میزان قائم کریں گے انصاف کے واسطے۔

لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ (قیامت کے روز) لام، کئی معنوں میں آتا ہے۔بعضوں نے کہا کہ تعلیل کے لیے ہے، یعنی لِحِسَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور علامہ ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے لام کو فِي کے معنیٰ میں لیا ہے یعنی نَضَعُ الْمَوازِيْنَ فِي يَوْمِ الْقِيَامَة۔علامہ نووی رحمہ اللہ نے اِسی کو راجح قرار دیا ہے۔(۱)

کیفیتِ وزنِ اعمال؛ تین قول:

وأَنَّ أَعْمَالَ بَنِيْ آدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوْزَنُ۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قیامت کے روز ترازو ہوگی، اُس کے لیے ایک تو آیت پیش کی اور آگے اپنا دعویٰ پیش کرتے ہیں، کہ انسانوں کے اعمال اور ان کے اقوال تولے جائیں گے۔ اہل السنۃ و الجماعۃ جو وزنِ اعمال کے قائل ہیں، خود ان کے مابین بھی وزنِ اعمال کی کیفیت کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

---

(۱) شرح صحيح مسلم للنووي (۲/۱۲۲).

قولِ اول:

ایک قول یہ ہے کہ اصحابِ اعمال کو تولا جائے گا، اور اُن کا ہلکا اور بھاری ہونا اعمال کے مطابق ہوگا۔ جس کے جیسے اعمال ہوں گے، اُسی کے مطابق وہ ہلکا ہوگا۔ چاہے وہ دنیوی اعتبار سے کتنا ہی بھاری بھر کم، لمبا تڑنگا معلوم ہوتا ہو۔ یہ قول علامہ محی السنۃ البغوی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ (۱) اور اِس کے قائل کون ہیں؟ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِس کا قائل معلوم کرنے کی بڑی کوشش کی، لیکن آج تک کوئی نام میرے علم میں نہیں آیا۔ بس یہ قول نقل کیا جاتا ہے، جب ان کی جستجو کے بعد نہیں ملا تو اب کسی اور کو کیا ملے گا؟

دلیل:

اِس قول کی دلیل؛ ایک تو وہ روایت ہے جو بخاری شریف ہی کی کتاب التَّفْسِير میں سورۂ کہف کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے: إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَزِنُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ (قیامت کے روز ایک لمبا تڑنگا آدمی لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا)۔ (۲)

یہ پنڈلیاں احد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہیں:

دوسرا الأَدَبُ الْمُفْرَد اور مُسْنَد أَحْمَد میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ

---

(۱) حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ بغویؒ نے اپنی تفسیر کی کتابوں میں سورۂ اعراف کی آیتِ کریمہ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ إلخ ... کی تفسیر کے تحت حدیث يؤتى يوم القيامة بالرجل السمين إلخ ... سے اس کو ثابت کیا ہے، اور اس کے علاوہ اس سلسلے میں متعدد اقوال بھی نقل کیے ہیں۔

(۲) صحيح البخاري (۴۷۲۹).

مذکور ہے: ایک موقع پر سفر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسواک لینے کے لیے پیلو کے درخت پر چڑھے، تو ہوا کی وجہ سے آپ کی لنگی ذرا ہٹی، اور آپ کی پنڈلیاں نظر آنے لگیں، جو بہت پتلی پتلی تھیں، اُن کو دیکھ کر بے اختیار حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہنس پڑے۔ (غیر اختیاری ہنسی قابلِ اعتراض نہیں ہوتی) اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کے پاؤں یا ان کی پنڈلیاں أَثْقَلُ فِيْ الْمِيْزَانِ مِنْ أُحُدٍ میزان اور ترازو میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہیں۔ یہ روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے الأَدَبُ الْمُفْرَد اور مُسند أحمد میں مروی ہے۔ (۱) اس سے معلوم ہوا کہ اصحابِ اعمال کو تولا جائے گا۔ لیکن اس قول کے سلسلے میں اہل علم میں سے کسی متعین شخص کا نام نہیں لیا جاتا۔

دوسرا قول:

اس سلسلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ صحائفِ اعمال کو تولا جائے گا۔ کیوں کہ وہ اعمال خود کیسے ترازو میں رکھے جائیں گے؟ یہ ایک قابلِ اعتراض چیز تھی۔ اِس لیے خود اہل السنۃ و الجماعۃ میں سے ایک گروہ اِس طرف گیا کہ صحائفِ اعمال تولے جائیں گے، یعنی جن رجسٹروں اور کاغذات میں بندوں کے اعمال لکھے گئے ہیں، وہ تولے جائیں گے۔ چناں چہ اِسی قول کو بہت سارے حضرات: علامہ ابن فورک، امام الحرمین، ابوعبد اللہ قرطبی، ابو العباس قرطبی رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔ (۲) اور خود امام رازی رحمہ اللہ علیہ نے تفسیرِ کبیر میں عامۃ المفسرین کا قول اِسی کو قرار دیا ہے۔ (۳) علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح المعانی میں اسی کو قولِ جمہور قرار دیا ہے۔ (۴)

---

(۱) مسند أحمد (۹۲۰، ۳۹۹۱) والأدب المفرد (۲۳۷).

(۲) تفسير ابن فورك (۲۵۸/۳) [سورة الزلزلة: ۴] والتذكرة للقرطبي (ص: ۷۲۲) وتفسير القرطبي (۱۶۵/۷) [الأعراف ۸-۹].

(۳) تفسير الرازي (۲۰۲/۱۴) [الأعراف ۸-۹].

(۴) روح المعاني (۳۲۳/۴).

اہل السنۃ والجماعۃ کے بڑے بڑے علما کی ایک جماعت اِس بات کی قائل ہے کہ اعمال کے تولنے کا مطلب یہ ہے کہ صحائفِ اعمال تولے جائیں گے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اثر بھی اِس سلسلے میں ہے۔ (۱)

قولِ ثانی کی دلیل:

اُن لوگوں کا استدلال حدیثِ بطاقہ سے ہے۔ حدیثِ بطاقہ ترمذی شریف میں موجود ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن قرار دیا ہے، مستدرک حاکم میں بھی ہے، اور حاکم رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (۲) قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ ایک امتی کو بلائیں گے اور بڑے بڑے ننانوے دفتر اُس کے گناہوں سے بھرے ہوئے ہوں گے؛ ایک ایک دفتر اتنا بڑا جو حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا۔ یہ سب اُس کو بتلا کر کے پوچھا جائے گا کہ "یہ تمہارے گناہ ہیں، ہمارے اعمال لکھنے والے فرشتوں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی اور ظلم تو نہیں کیا؟" یعنی کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے یہ گناہ نہ کیے ہوں، اور تمہارے نام پر چڑھا دیے ہوں، جو آج کل کی پولیس کرتی ہے! تو وہ آدمی کہے گا کہ "باری تعالیٰ! یہ سب گناہ میں نے کیے ہیں۔ آپ کے فرشتوں نے میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی"۔ تو باری تعالیٰ کی طرف سے پھر اس کو پوچھا جائے گا کہ "کیا تمہیں اِس کا اقرار ہے؟" تو وہ کہے گا کہ "ہاں!" اللہ تعالیٰ فرمائیں گے "تمہارے پاس کوئی عذر ہے؟" کبھی آدمی سے کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو وہ عذر بھی پیش کرتا ہے "مجھ سے اِس طرح اِس لیے ہو گیا"۔ وہ کہے گا کہ "میرے پاس کوئی عذر نہیں"۔

---

(۱) علامہ قرطبی رحمہ اللہ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کو ذکر کیا ہے۔

(۲) سنن الترمذي (۲۶۳۹) والمستدرك للحاكم (۱۹۳۷).

ایک پرچی ننانوے دفتر کے مقابلے میں:

پھر باری تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا کہ ’’ہمارے یہاں کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا جاتا، تمہارا ایک عمل ہمارے پاس ہے‘‘۔ ایک پرچی نکالی جائے گی جس میں کلمۂ شہادت: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ہوگا، وہ اس کو دی جائے گی۔ اور کہا جائے گا کہ ’’جاؤ ترازو کے پاس جہاں اعمال تولے جاتے ہیں اس کا وزن کرواؤ، اور دیکھو کہ تمہارے متعلق کیا فیصلہ ہوتا ہے۔‘‘ وہ عرض کرے گا کہ باری تعالیٰ! میں جا کر کیا کروں گا؟ اتنے بڑے بڑے ننانوے دفتر، ان کے مقابلے میں اس ایک پرچی کی کیا حیثیت؟ کہا جائے گا: ’’نہیں! ہمارے یہاں کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہوتا۔‘‘

تیرا نام اتنا وزنی:

چناں چہ اس کو جہاں اعمال تولے جا رہے ہیں وہاں بھیجا جائے گا، اور وہ پرچی ایک پلڑے میں رکھی جائے گی، اور دوسرے پلڑے میں گناہوں کے ننانوے دفتر ہوں گے، لیکن وہ اتنی بھاری ہوگی کہ سارے دفتر اس کے مقابلے میں ہلکے ثابت ہوں گے، آگے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز وزنی نہیں ہو سکتی۔ (۱)

بہر حال! اس سے استدلال کیا گیا کہ صحائفِ اعمال تولے جائیں گے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو سمجھ میں آنے والی بھی ہے، اور قابلِ اعتراض بھی نہیں۔

تیسرا قول:

اہل السنۃ والجماعۃ کا تیسرا قول جس کو امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، ابوزرعہ

---

(۱) سنن الترمذي (۲۶۳۹) والمستدرك للحاكم (۱۹۳۷).

رازی، ابو حاتم رازی، ابن حزم ظاہری، ابن زید مالکی، امام بخاری رحمہم اللہ اور دیگر بڑے بڑے ائمہ نے اختیار کیا ہے؛ وہ یہ ہے کہ خود اعمال کو تولا جائے گا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اعمال تو ایک معنوی چیز ہے؛ دِکھتی نہیں ہے، اس کا کوئی جسم نہیں ہوتا۔ اسے کیسے ترازو میں رکھ کر تولا جا سکتا ہے؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر ہے: الأَعْمَالُ تَتَجَسَّدُ (روز قیامت اعمال جسم اختیار کرلیں گے)[۱] اور دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ اعمال میں جان پیدا کر دے۔ اس کی تائید اُس روایت سے بھی ہو سکتی ہے جو بخاری شریف میں موجود ہے کہ جب جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے، اس کے بعد ایک پکارنے والا پکارے گا: اے جنتیو! (پھر ان کو ایک مینڈھا دکھا کر پوچھا جائے گا) اس کو پہچانتے ہو؟ یہ موت ہے۔ تم میں سے ہر ایک نے اس کا مزہ چکھا ہے......[۲] اب دیکھیے! موت ایک معنوی چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اسے جسم عطا فرمائیں گے۔ بہر حال! اگر اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ جسم عطا فرمائیں تو اس کی قدرت سے بعید نہیں ہے۔

اپنے اسی رجحان کو ثابت کرنے کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ الفاظ استعمال کیے: وَأَنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ وَقَوْلَهُمْ يُوزَنُ (انسانوں کے اعمال اور ان کا قول تولا جائے گا)۔

---

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "الأعمال تتجسد" صراحۃً منقول نہیں ہے، البتہ شعب الإیمان للبیهقي (۳۷۷) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک اثر منقول ہے جس سے "الأعمال تتجسد" کا ثبوت ہوتا ہے (ابوزرعہ)۔

(۲) صحیح البخاري (۴۷۳۰).

ایک اشکال:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ بحث چل رہی ہے اعمال کی، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں قَوْلَهُمْ کو بھی ساتھ میں جوڑ دیا، اعمال کافی تھے۔ اور دوسری بات یہ بھی کہ آدمی کی باتیں بھی اس کا ایک عمل ہی ہیں جو زبان سے وجود میں آئی ہیں۔ جن اعضا سے یہ اعمال وجود میں آتے ہیں، اُن اعضا کی طرف نسبت کی وجہ سے اعمال کو مختلف نام دیے جاتے ہیں۔ ہاتھ سے جو عمل وجود میں آتا ہے اس کو "پکڑنا" کہتے ہیں، پاؤں سے جو عمل وجود میں آتا ہے اس کو "چلنا" کہتے ہیں، کان سے جو عمل وجود میں آتا ہے اس کو "سننا" کہتے ہیں، آنکھ سے جو عمل وجود میں آتا ہے اس کو "دیکھنا" کہتے ہیں۔ زبان سے وجود میں آنے والے عمل کا نام "قول" ہے۔ تو اب أَعْمَالَ بَنِيْ آدَمَ (انسانوں کے اعمال) میں تو سب ہی آ گیا، لیکن اُس کو الگ سے وَ قَوْلَهم (اور اُن کا قول)۔ نسخۂ قابسی رحمہ اللہ میں ہے وَ أَقْوَالَهُمْ تُوْزَنُ (ان کے اقوال کو بھی تولا جائے گا)۔ کیوں لائے؟

جواب:

بات دراصل یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کہیں جب باب کا عنوان قائم کر کے اس میں کوئی دعویٰ پیش کرتے ہیں، پھر جب وہ محسوس کرتے ہیں کہ میں نے دعوے میں جن الفاظ کو استعمال کیا ہے، ان کو ثابت کرنے کے لیے کوئی صریح روایت میری شرط کے مطابق نہیں ہے، تب وہ اپنے اس دعوے میں مزید ایک چیز کا اضافہ کر دیتے ہیں، جس کی دلیل اس صریح روایت میں ہوتی ہے جو ان کی شرط کے مطابق ہوتی ہے۔ ویسے اعمال کے وزن پر دلالت کرنے والی صریح روایتیں بھی موجود ہیں جو ابوداود شریف میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے [1] اور

(۱) سنن أبي داود (۴۷۹۹).

خیثمہ بن سلیمان رحمہ اللہ کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے [1] مروی ہے لیکن چوں کہ وہ روایتیں ان کی شرط کے مطابق نہیں تھیں، اس لیے ان کو ذکر نہیں کیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی خاص عادت:

اس دعویٰ پر صریح روایت وہی ہے جو ابھی آپ سب نے پڑھی: كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ إلخ... (دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو محبوب اور پیارے ہیں) چوں کہ وہ کلام (قول) ہے اور قول چوں کہ زبان کا عمل ہے، تو جب زبان کا عمل تولا جائے گا تو دوسرے اعضا کے اعمال بھی تولے جائیں گے۔ یہ دعویٰ خود بہ خود اس سے ثابت ہو جائے گا؛ یہ ان کی خاص عادت اور انداز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے لفظ قَوْلَهُمْ کا اضافہ اسی لیے کیا۔

دونوں نسخوں میں تطبیق:

قَوْلَهُمْ اور أَقْوَالَهُم: اگر واحد کا صیغہ ہو تب بھی سمجھ میں آنے والی بات ہے اور جمع کا صیغہ ہو تب بھی۔ اس لیے کہ زبان ایک عضوِ واحد ہونے کی وجہ سے اس کے عمل کے لیے بھی واحد کا صیغہ استعمال کیا۔ یا یہ کہ زبان سے نکلنے والے الفاظ کمیت کے اعتبار سے ایک بڑی تعداد میں ہیں، اس لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا۔

القسط؛ لغوی تحقیق کی روشنی میں:

وَقَالَ مُجَاهِدٌ رحمہ اللہ: القِسْطَاسُ: الْعَدْلُ بِالرُّوْمِيَّةِ.

امام بخاری رحمہ اللہ اگر ضرورت محسوس کرتے ہیں تو قرآن یا حدیث کے کسی لفظ کی لغوی تحقیق بھی کرتے ہیں۔ یہاں اُنہوں نے لفظِ قِسط کو ترجمۃ الباب میں پیش کیا ہے: وَنَضَعُ

(۱) اس حدیث کو ابن عطیہ نے اپنی تفسیر میں مسند خیثمہ سے نقل کیا ہے۔ تفسیر ابن عطیہ (۲/ ۴۰۴)۔

اَلْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ، تو اَلْقِسْط کی لغوی تحقیق پیش کرنے کے لیے حضرت مجاہد بن جبر رحمۃ اللہ علیہ - جو تابعی اور ائمہ تفسیر میں سے ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگردِ خاص ہیں، ان کے اقوال مفسرین کے یہاں مستند سمجھے جاتے ہیں - کا قول پیش کیا: اَلْقِسْطَاسُ: اَلْعَدْلُ بِالرُّوْمِيَّةِ.

لفظ اَلْقِسْطَاسُ قرآن میں آیا ہے: وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ (الاسراء:۳۵) اور اس کا مادہ اَلْقِسْط ہے۔ تو اُس کے مطلب کو واضح کرنے کے لیے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول پیش کیا کہ لفظ اَلْقِسْطَاسُ رومی زبان میں انصاف کے لیے بولا جاتا ہے۔

یہاں شراح نے ایک اور بحث کی ہے کہ کیا قرآن میں عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان کے الفاظ بھی موجود ہیں؟ اس کی بھی ایک لمبی تفصیل ہے جس کی یہاں ضرورت نہیں۔

قائل کون ہے؟

وَيُقَالُ: اَلْقِسْطُ، مَصْدَرُ الْمُقْسِطِ.

یہاں قائل کو مبہم رکھا ہے۔ اگر چہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اِظہار نہیں کیا، لیکن دوسرے شراح بتلاتے ہیں کہ يُقَالُ میں ان کا اشارہ ابوعبیدہ معمر بن المثنیٰ تیمی بصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۰۹ھ) کی جانب ہے، جن کی کتاب مَجَازُ الْقُرْآن سے عام طور پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کِتَابُ التَّفْسِيْر میں اقوال پیش کرتے ہیں۔ تو یہاں يُقَالُ کے قائل ابوعبیدہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ القِسط "المُقسِط" کا مصدر ہے۔ (۱)

القِسط، المُقسِط کا مصدر کیوں کر؟:

یہاں القِسط "المقسِط" کا مصدر کیسے بنے گا؟ اِس لیے کہ المقسِط تو بابِ

(۱) مجاز القرآن (۱/ ۹۰) [آل عمران: ۱۸].

افعال سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور اس کا باب إقساط ہے جو مزید فیہ ہے، اور "القِسط" ثلاثی مجرد ہے، لہٰذا مجرد مزید فیہ والے اسم فاعل کا مصدر کیسے بن سکتا ہے؟

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مصدر المصدر ہے، یعنی المقسِط کا مصدر إقساط ہے اور وہ مزید فیہ ہے، اُس کا مجرد القِسط ہے، تو گویا یہ مجرد کا مصدر ہے، امام بخاری رحمہ اللہ اس کے حروف اصلی کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس معنیٰ کر کے مزید فیہ کے لیے بھی اس کو مصدر قرار دیا جاسکتا ہے، اور اس کا معنیٰ عادل ہے۔ (۱)

مجرد اور مزید فیہ کے معنیٰ میں فرق:

یہاں ایک دوسری بات امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر بابِ افعال سے اسمِ فاعل کا صیغہ لاتے ہیں، تو وہ "انصاف کرنے والے" کے معنیٰ میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الحجرات:۹) (اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے) اور اگر مجرد میں لاتے ہیں تو وہ "ظالم" کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے: وَ أَمَّا الْقَاسِطُ: فَهُوَ الْجَائِرُ. قال تعالیٰ: وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (الجن:۱۵) (اور رہے وہ لوگ جو ظالم ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں)۔

مصدر کے فرق سے معنیٰ میں فرق:

ویسے تو مصدر کے فرق سے بھی معنیٰ میں تبدیلی ہو جاتی ہے، جیسے: وَجَدَ، يَجِدُ، مَوْجِدَةً و وَجْداً۔ مَوْجِدَةً اگر مصدر مانا جائے تو وہ "غصہ" اور "غضب ناک ہونے" کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اور اگر "وَجْداً" مصدر مانا جائے، تو وہ "غمگین ہونے" کے معنیٰ میں

(۱) الكواكب الدراري (۲۵/۲۴۹).

استعمال ہوتا ہے۔ اور اگر قَسَطَ، یَقْسِطُ کا مصدر قِسْطٌ (بکسرالقاف) مانا جائے، تو وہ ''انصاف'' کے معنیٰ میں ہے۔ اور اگر قَسْطٌ (بفتح القاف) مانا جائے، تو ''ظلم اور جور'' کے معنیٰ میں ہے۔

اضداد:

عربی زبان میں بہت سے کلمات ایسے ہیں، جن کو کلماتِ متضادہ کہا جاتا ہے، یعنی ایک ہی کلمے کے دو معنیٰ، اور دونوں معنیٰ ایسے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہوں۔

صلہ سے بھی فرق کیا جاتا ہے۔ جیسے: رَغِبَ إلی کسی چیز کی طرف مائل ہونے اور محبت کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اور اگر ''عَنْ'' صلہ لایا جائے، تو ''نفرت'' کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ (مریم: ۴۶) (ان کے باپ نے کہا: ابراہیم! کیا تم میرے خداؤں سے بیزار ہو؟) وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ (البقرۃ: ۱۳۰) (اور کون ہے جو ابراہیم کے طریقے سے انحراف کرے؟)

اسی طرح لفظ القِسط بھی اضداد میں سے ہے، اس کا ترجمہ ''ظلم'' بھی ہوتا ہے اور ''انصاف'' بھی۔ اگر اس کو بابِ افعال میں لے جائیں گے، تو یقینی طور پر اس کا ترجمہ ''انصاف'' ہی کریں گے۔ اگر یہ أقسَطَ ''القِسط'' (بمعنیٰ انصاف) سے بنا ہے۔ تو اس صورت میں بابِ افعال ''صیرورت'' کا معنیٰ دیتا ہے۔

سلبِ ماخذ اور صیرورت، دونوں کی گنجائش:

آپ نے علم الصرف میں خاصیاتِ ابواب پڑھی ہوں گی۔ بابِ افعال کی بہت ساری خاصیتیں ہیں۔ ان میں سے ایک خاصیت ''سلبِ ماخذ'' بھی ہے۔ جس مادے سے

بابِ افعال بنایا جائے، اُس مادے کو مسلوب (نفی) کرنے کے لیے بابِ افعال کو استعمال کیا جاتا ہے۔اور کبھی وہ ''صیرورت'' کا معنی دینے کے لیے بھی آتا ہے۔

اگر اُس کو القَسْطُ سے مانیں تو اس صورت میں أَقْسَطَ یعنی ''صَارَ مَسْلُوْبَ القَسْطِ'' (وہ آدمی ظلم سے مسلوب ہوگیا) یعنی اس کے اندر سے ظلم نکال دیا گیا، تو انصاف آ گیا۔اس صورت میں باب افعال کا ہمزہ ''سلبِ ماخذ'' کے لیے ہوگا۔

اور اگر وہ ''القِسط'' سے بنا ہے، تو ''صیرورت'' کے لیے ہوگا، کیوں کہ باب افعال کا ہمزہ ''صیرورت'' کا معنیٰ دینے کے لیے بھی آتا ہے۔ ''أَلْبَنَتِ النَاقَةُ أي صَارَتِ النَاقَةُ ذَاتَ لَبَنٍ''، ''أَطْفَلَتِ المرْأَةُ أي صَارَتِ المَرْأَةُ ذَاتَ طِفْلٍ''، ''أقسط الرَّجُلُ أيْ صَارَ الرَّجُلُ ذَاقِسْطٍ/ذَاعَدْلٍ'' تو یہاں بابِ افعال ''صیرورت'' کے معنیٰ میں ہے۔

بہر حال! باب افعال (خواہ سلب ماخذ ہو یا صیرورت) کا ترجمہ ''انصاف'' ہی ہوگا اور مجرد میں ''ظلم'' ہی ہوگا۔

یہ روایت بخاری میں تین مقام پر:

آگے امام بخاری رحمہ اللہ روایت پیش کرتے ہیں۔اِس روایت کو اِس سے پہلے کتاب الدَّعَوَات میں اپنے استاذ زہیر بن حرب رحمہ اللہ سے،[۱] اور کتابُ الأَيمَانْ میں اپنے استاذ قتیبہ بن سعید رحمہ اللہ سے ذکر کیا ہے،[۲] اور یہاں احمد بن اشکاب رحمہ اللہ کے حوالے سے پیش کرتے ہیں۔اس کتاب میں یہ روایت کل تین جگہ آئی ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري (٦٤٠٦).

(۲) صحيح البخاري (٦٦٨٢).

پہلے استاذ (زہیر بن حرب رحمۃ اللہ علیہ) سے مروی روایت میں حدیث کے الفاظ کی ترتیب دوسری اور تیسری روایت سے الگ ہے کہ زہیر بن حرب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں سبحان الله العظيم مقدم ہے اور قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ اور احمد بن اشکاب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی روایت میں اخیری الفاظ سبحان الله العظيم ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ چاہتے تھے کہ اپنی کتاب کو اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفت پر ختم کریں، اس لیے انہوں نے اس روایت کو یہاں لانا پسند کیا اور اس کو قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پر ترجیح اس لیے دی کہ اس روایت کی ابتدا بھی حمد سے ہے کہ اس کے راوی احمد بن اشکاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور انتہا بھی اللہ تعالیٰ کی صفت پر ہو رہی ہے۔

وہ کلام جو اپنے متکلم کو محبوبِ خدا بنائے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ؛ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو محبوب ہیں، اس لیے کہ یا تو ان دو جملوں میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تحمید بیان کی گئی ہے (جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری ہے) یا ان کا پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ "حَبِيْبٌ" فَعِيْلٌ کے وزن پر ہے، اور "فَعِيْلٌ" کبھی اسمِ فاعل کا معنیٰ دینے کے لیے آتا ہے، کبھی اسمِ مفعول کا۔ یہاں حَبِيْبٌ اسمِ مفعول کے معنی میں ہے؛ حبیب بمعنی محبوب ہے۔ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ؛ دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو محبوب اور پیارے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے لفظِ رحمٰن کو اس لیے لائے تا کہ پتہ چلے کہ اتنے چھوٹے سے عمل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی بڑی جزا دی جائے گی، یہ گویا اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت ہی کا کرشمہ ہے۔

خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِيْ الْمِيْزَانِ (زبان پر ہلکے اور ترازو میں

بھاری ہیں) یہاں "خفیف" اور "ثقیل" دونوں فَعِیلٌ کے وزن پر ہیں اور دونوں اسمِ فاعل کے معنی میں ہیں۔ گویا یہاں تین صیغے فَعِیل کے وزن پر ہیں: پہلا صیغہ اسم مفعول کے معنیٰ میں، اور باقی دو صیغے اسم فاعل کے معنیٰ میں ہیں۔

خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ (یہ کلمے زبان پر ہلکے ہیں) چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت پیارے ہیں، اس وجہ سے کسی کو خیال ہو کہ اُس کی ادائیگی دشوار ہوگی، تو فرمایا: اُس کی ادائیگی بہت آسان ہے، زبان پر بہت ہلکے ہیں۔ پھر یہ خیال ہوسکتا ہے کہ زبان پر ہلکے ہیں تو ثواب بھی کچھ زیادہ نہیں ملتا ہوگا؟ تو فرمایا: ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ (ترازو میں بہت بھاری ہیں) اُس کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اس جز کی وجہ سے اپنے دعوے کے تحت بیان کیا ہے۔ اس لیے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان "جملوں" کو ترازو میں رکھا جائے گا اور وہ وزنی ثابت ہوں گے، اس سے اُس تیسرے نظریے کی تائید ہوتی ہے کہ خود اعمال کو تولا جائے گا۔

اور وہ کلمے یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِيْمِ.

اس موقع پر شراح ایک اور بحث بھی کرتے ہیں کہ یہاں کَلِمَتَانِ سے مراد جُمْلَتَانِ ہے۔ (۱) کیوں کہ نحویین کی اصطلاح میں کلمہ اس خاص لفظ کو کہا جاتا ہے جو مفرد معنیٰ کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ اب یہاں کسی کا ذہن نحویین کے کلمے کی طرف نہ جائے، اس لیے شراح وضاحت کرتے ہیں کہ یہاں کلمہ سے کلام اور جملہ مراد ہے۔

---

(۱) فتح الباری وغیرہ میں مذکور ہے۔

ترکیب:

عام شراح نے اس حدیث کی ترکیب اس طرح کی ہے: كَلِمَتَانِ موصوف اپنی تینوں صفات (حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِيْ الْمِيْزَانِ) سے مل کر خبرِ مقدم ہے، اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ، مبتدا مؤخر ہے۔ خبر مقدم مبتدا مؤخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ آپ نے علمِ بلاغت میں پڑھا ہوگا کہ جملہ اسمیہ کی اصل ترتیب (مبتدا پہلے اور خبر بعد میں) کو کسی خاص مقصد کے پیشِ نظر الٹ دیتے ہیں (خبر پہلے اور مبتدا بعد میں)۔ ان مقاصد میں سے ایک مقصد ''تشویقِ مخاطب'' یعنی سامع میں بات سننے کا شوق پیدا کرنا۔ جب یہ کہا جائے کہ ''رحمن کو دو جملے بہت پیارے ہیں'' تو سننے والے کو پہلے ہی جملے سے یہ شوق پیدا ہوگا کہ بتاؤ! وہ جملے کون سے ہیں؟ وہ بتانے کے بہ جائے اور آگے فضیلت سنا رہا ہے کہ ''وہ دو جملے زبان سے ادا کرنے میں بہت ہلکے اور آسان ہیں'' تو سامع کا شوق اس سے اور بڑھے گا، وہ ان جملوں کو حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہوگا، پھر اس کے شوق کو انتہا تک پہنچانے کے لیے وہ کہہ رہا ہے ''وہ جملے میزانِ عمل میں بھی بہت بھاری ہیں'' جب اس کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا تب وہ جملے کہے جا رہے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ.

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی ترکیب:

البتہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ — جو شارح ہدایہ ہیں ان — کا اس کلمے کی ترکیب کے سلسلے میں ایک مستقل رسالہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ كَلِمَتَانِ اپنی تینوں صفات کے ساتھ مبتدا، اور سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ خبر ہے۔ جیسا کہ جملہ اسمیہ کا اصل انداز یہی

ہوتا ہے۔[۱]

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ كَلِمَتَانِ نکرہ ہے اور نکرہ کیسے مبتدا بن سکتا ہے؟ اس کا جواب دیا گیا کہ تین صفتیں لانے کی وجہ سے اس میں قوت پیدا ہو گئی اور وہ مبتدا بننے کے لائق ہو گیا۔

مدعا ثابت ہو گیا:

بہر حال! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس حدیث کے ذریعے مقصدِ ترجمۃ الباب ثابت کیا۔ اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ وزن اعمال حق ہے اور خود اعمال کو تولا جائے گا، اور معتزلہ کے نظریے کی تردید مقصود ہے۔ اِس سلسلے میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ابو داود شریف میں ہے کہ قیامت کے روز ترازو میں سب سے وزنی چیز اچھے اخلاق ہوں گے،[۲] لیکن وہ روایت چوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر نہیں ہے، اس لیے اُس کو پیش نہیں کیا ہے۔

اعمال میں وزن کیسے پیدا ہو؟:

اس حدیث سے ہمیں ایک سبق یہ بھی ملتا ہے جس کی طرف ہم سب کو خصوصی طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کو گنا نہیں جائے گا، بلکہ تولا جائے گا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ دنیا میں رہتے ہوئے، ہم ایسے عوامل واسباب اختیار کریں جو ہمارے اعمال کو زیادہ سے زیادہ وزنی بنائیں۔

---

(۱) علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے اعراب پر ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا ہے جسے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے عقودُ الزَّبَرجَدْ (۲/ ۴۴۳-۴۴۹) میں نقل کیا ہے۔

(۲) سنن أبي داود (۴۷۹۹).

اعمال تین چیزوں سے وزنی بنتے ہیں: (۱) ایمان (۲) اخلاص (۳) اتباع؛ اُسی کو "صِدق" سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

کفار کے اعمال:

کافر آدمی چاہے کتنے ہی اچھے عمل کرے، لیکن ایمان نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اعمال میں کوئی وزن نہیں ہوگا، بلکہ اس کی نیکیاں تو اس قابل ہی نہیں کہ ان کے لیے ترازو قائم کیے جائیں۔ باری تعالیٰ نے اسی کو قرآن میں ذکر فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (الکہف: ۱۰۵) (یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے مالک کی آیتوں کا اور اس کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا، اس لیے ان کا سارا کیا دھرا غارت ہوگیا۔ چناں چہ قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن شمار نہیں کریں گے)

ایک دوسرے موقع پر ان کفار کا حال ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان: ۲۳) (اور انہوں نے (دنیا میں) جو عمل کیے ہیں، ہم ان کا فیصلہ کرنے پر آئیں گے تو انہیں فضا میں بکھرے ہوئے گرد وغبار (کی طرح بے قیمت) بنادیں گے) ہاں اللہ تعالیٰ ان کے ان اعمال کی وجہ سے دنیا میں ان کی روزی میں برکت دے اور جسمانی تندرستی دے وغیرہ؛ دنیا کے فوائد ان کو حاصل ہوں گے۔

دوسری شرط:

اگر کوئی بھی عمل خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے انجام دیا جائے گا، تو اس کی وجہ سے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں وزنی ہوگا، لیکن اس کو انجام دینے کے لیے بھی وہی

طریقہ اختیار کیا جائے جو نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔ نماز آپ خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے پڑھیں، دکھلاوے اور شہرت کے لیے نہ پڑھیں اور اس طرح پڑھیں جس طرح نبی کریم ﷺ نے پڑھ کر بتلائی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کا اہتمام کیا جائے۔

صحابی رضی اللہ عنہ کا اخلاص:

حدیث میں آتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری امت میں کوئی آدمی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے اور میرے صحابی ایک مد کھجور خرچ کریں، تو وہ شخص ایک مد بلکہ نصفِ مد کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔[1] حالاں کہ وہاں سونے کا پہاڑ ہے اور یہاں ایک مد- جو صاع کا ایک حصہ ہے- کھجوریں ہیں، لیکن چوں کہ اخلاص کے جس مقام پر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم فائز تھے اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس میں وزن پیدا فرمایا۔

سب سے پہلے تین آدمیوں کا حساب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: روزِ قیامت سب سے پہلے حساب کتاب کے لیے تین آدمیوں کو پیش کیا جائے گا: (۱) قاری قرآن (۲) سخی (۳) شہید۔

(۱) قاری قرآن:

قاری کو اللہ تعالیٰ بلا کر پوچھیں گے: ہم نے تمہیں قرآن جیسی نعمت عطا کی تھی، بہت شاندار اور عمدہ طریقے سے قرآن پڑھنے کی صلاحیت عطا کی تھی، تم نے اس کا کیا حق ادا کیا؟

---

[1] مسند أحمد (۱۱۵۱۶، ۱۱۰۷۹، ۱۱۶۰۸) وصحيح البخاري (۳۶۷۳) وصحيح مسلم (۲۲۱/۲۵۴۰) وغيرها.

جواب میں قاری صاحب کہیں گے: میں نے لوگوں کو بہت پڑھایا، ہر ایک کو قاری بنایا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: یہ سب اس لیے کیا تا کہ لوگ کہیں کہ بڑا ماہر قاری ہے، سو کہا جا چکا، پھر فرشتوں سے کہیں گے کہ اسے لے جاؤ اور جہنم میں ڈال دو۔ [1] دیکھیے یہ کتنا اونچا عمل ہے! پوری زندگی قرآن کی خدمت میں گذری، لیکن نیت اللہ کی رضا کی نہیں تھی، یہ بات اخلاص کے خلاف ہے۔

(۲) سخی:

پھر سخی کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ میں نے تجھے مال جیسی نعمت دی تھی، تو نے اس کا کیا حق ادا کیا؟ جواب میں عرض کرے گا کہ باری تعالیٰ! کوئی نیکی کا کام ایسا نہیں تھا جس میں میں نے تیرا دیا ہوا مال خرچ نہ کیا ہو۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے: یہ سب اس لیے کیا تا کہ لوگ کہیں کہ بڑا سخی ہے۔ مجھے راضی کرنے کے لیے نہیں کیا تھا۔

(۳) شہید:

پھر شہید کو بلایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ میں نے تجھے ہمت، قوت، بہادری، شجاعت، تندرستی جیسی نعمتیں عطا کی تھیں، ان نعمتوں کا تو نے کیا حق ادا کیا؟ وہ عرض کرے گا: میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا، تیرے دشمنوں کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ جان دے دی۔ باری تعالیٰ فرمائیں گے: یہ سب اس لیے کیا تا کہ لوگ واہ واہ کریں، سو کیا جا چکا۔ پھر فرشتوں سے کہیں گے کہ اسے لے جاؤ اور جہنم میں ڈال دو۔ دیکھیے! شہادت سے

---

[1] مسند إسحاق بن راھویہ (۳۰۹) و مسند أحمد بن حنبل (۸۲۷۷) و صحیح مسلم (۱۹۰۵/۱۵۲) و سنن الترمذی (۲۳۸۲) وغیرھا.

اونچا کون سا مقام ہوسکتا ہے! لیکن صحیح نیت نہیں تھی اس لیے اس کا عمل بے کار ہو گیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب یہ حدیث پڑھی جاتی تو وہ خوب روتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جنہوں نے عمل کیا، اور جنہوں نے کیا ہی نہیں ان کا کیا حال ہوگا؟ (۱) ضرورت ہے اس بات کی کہ کوئی بھی عمل ہو، چاہے چھوٹا ہو یا بڑا، وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے۔

میرے پیچھے آؤ تمہیں لے چلوں گا جنت میں:

اسی طرح ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کے مطابق اُستوار کرنے کا اہتمام کریں، اور جو بھی عمل کریں خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر کریں۔ اگر بڑے سے بڑا عمل کسی غلط نیت اور غلط طریقے سے کیا جائے گا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اور اگر ایک چھوٹا سا عمل بھی اخلاص اور صدق کے ساتھ ہوگا تو وہ آدمی کی نجات کے لیے کافی ہے۔

کتے کو پانی پلانے پر مغفرت:

بخاری شریف میں روایت موجود ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی جنگل سے گذر رہا تھا، اس کو پیاس لگی، وہاں ایک کچا کنواں تھا جس پر ڈول اور رسی نہیں تھی۔ وہ کنویں کے اندر دیواروں کے خالی خانوں میں پیر رکھ کر اترا، اپنی پیاس بجھائی اور واپس باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس نے سوچا کہ جو پیاس کی

(۱) سنن أبي داود (۴۷۹۹).

تکلیف ابھی میں نے محسوس کی تھی، اسی تکلیف سے یہ کتا بھی دو چار ہو رہا ہے۔ چناں چہ اس نے اپنا چمڑے کا موزہ نکالا، اپنے دانتوں سے پکڑ کر اسی طرح کنویں کے اندر اترا اور پانی بھر کر کتے کی پیاس بجھائی۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ (اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا) اس کے گناہوں کو معاف کر دیا اور اس کے لیے جنت کا فیصلہ فرما دیا۔[1] کتا ایک ایسا جانور ہے جسے عام طور پر لوگ اپنے قریب بھی نہیں آنے دیتے، لیکن اس نے وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کیا تھا، وہاں کوئی دیکھنے والا بھی نہیں تھا، اس پر اللہ تعالیٰ نے اتنا بڑا اجر اور بدلہ عطا فرمایا۔

تم نے نماز ہی نہیں پڑھی:

آپ نے بخاری ہی میں حدیث مسيئ في الصلاة پڑھی ہے۔ حضرت خلاد بن رافع رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں غلط طریقے سے نماز پڑھی اور پھر مجلسِ نبوی میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ارْجِعْ فَصَلِّ، فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ (واپس جاؤ، پھر سے نماز ادا کرو، اس لیے کہ تم نے نماز ہی نہیں پڑھی) انھوں نے تین مرتبہ نماز پڑھی اور آپ ہر مرتبہ ان کو دوبارہ پڑھنے کو فرماتے رہے۔ پھر انھوں نے عرض کیا کہ مجھے اس کے علاوہ نماز پڑھنا نہیں آتا۔ پھر آپ ﷺ نے تفصیل سے اس کو طریقہ سکھلایا۔[2] ایک اور موقع پر فرمایا: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو)[3] اس لیے نماز جیسا عمل بھی اگر حضور ﷺ کے طریقے کے مطابق نہیں، تو قبول

---

(۱) صحيح البخاري (۱۷۳، ۶۵۲، ۲۳۶۳، ۲۴۶۶، ۲۴۷۲، ۶۰۰۹).

(۲) سنن أبي داود (۸۹۹).

(۳) مسند الشافعي (۲۱۹) وصحيح ابن حبان (۱۶۵۸) والسنن الكبرىٰ للبيهقي (۳۸۵۶) وغيرها.

نہیں ہوگا۔

دسواں......بیسواں ثابت نہیں:

ہمارے یہاں معاشرے میں بہت سی بدعات رائج ہوجاتی ہیں۔ بدعت چاہے دیکھنے کے اعتبار سے کتنی ہی اچھی کیوں نہ معلوم ہو، لیکن چوں کہ وہ سنت سے ثابت نہیں، اس لیے اس پر کوئی اجر وثواب نہیں بلکہ وبال آتا ہے۔ جیسے: کسی کا انتقال ہوجائے تو اس کی وفات کے تین دن کے بعد کھانا کھلایا جاتا ہے، دس دن کے بعد دسواں کیا جاتا ہے، چالیس دن کے بعد چہلم کیا جاتا ہے۔ بہ ظاہر کھانا کھلانا کتنا اونچا عمل ہے! لیکن نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں، اس لیے اس پر کوئی اجر نہیں ملے گا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (ہمارے اس دین میں کسی نے ایسی چیز بڑھائی جو اس میں سے نہیں ہے وہ اس پر لوٹا دی جائے گی) [1] كُلّ بدعةٍ ضلالةٌ (ہر بدعت گمراہی ہے) [2]۔

سنت اور بدعت کی عمدہ مثال:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنے والد بزرگوار؛ حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک قصہ بیان کرتے ہیں۔ ہمارے اکابر میں سے ایک بزرگ تھے؛ حضرت شاہ محمد یاسین صاحب نگینوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حکایات صحابہ رضی اللہ عنہم اور فضائل کے ابتدائی رسائل ان ہی کے اصرار پر لکھے تھے۔ ان ہی کی طرف سے

---

(۱) صحيح البخاري (۲۶۹۷) وصحيح مسلم (۱۷/ ۱۷۱۸) وسنن أبی داود (۴۶۰۶) وغيرها.

(۲) مسند أحمد (۱۷۱۴۴) وابن ماجه (۴۲) والمعجم الكبير للطبراني (۹/ ۱۵۴) [۸۷۷۰]، (۱۸/ ۲۴۵) [۶۱۷].

تقاضا تھا کہ درود کے فضائل میں بھی کتاب لکھی جائے۔لیکن جب تک وہ حیات رہے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو درود کے فضائل پر کچھ لکھنے کی نوبت نہیں آئی۔انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے خلیفہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب دعاجو رحمۃ اللہ علیہ کو وصیت کی تھی کہ میری طرف سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ یاد دلاتے رہنا کہ یہ کتاب لکھنی باقی ہے۔ چناں چہ آپ فضائلِ درود دیکھ لیں، اس کے مقدمے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل لکھی ہے۔چناں چہ اخیری عمر میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو لکھا۔

سنت و بدعت کی عجیب مثال:

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب دعاجو رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کی تبلیغی جماعت کے اکابر میں سے تھے۔ وہ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: حضرت میں نے آپ کے متعلق ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ مفتی صاحب نے پوچھا: کیا دیکھا؟ انہوں نے کہا کہ ایک بلیک بورڈ (تختۂ سیاہ) ہے۔آپ اس کے پاس کھڑے ہیں اور آپ نے ایک (۱) لکھا، پھر اس کی دائیں جانب آپ نے صفر (۰) لگایا۔ جو شاگرد وہاں موجود تھے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب آیا کہ یہ دس (۱۰) ہے۔ پھر دوسرا صفر (۰) لگایا، پوچھا یہ کیا ہے؟ تو جواب آیا یہ ۱۰۰ ر ہے۔ پھر اسی طرح ۱۰۰۰ر، ۱۰۰۰۰ر، ۱۰۰۰۰۰ر۔ جوں جوں صفر لگاتے جائیں گے قیمت بڑھتی چلی جائے گی۔ اب اس کو مٹا دیا۔ پھر آپ نے دوبارہ ایک (۱) لکھا، اور بائیں طرف صفر (۰) لگایا اور پھر پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو جواب آیا یہ (۰۱) صفر اعشاریہ ایک (یعنی دسواں حصہ)(1/10) پھر دوسرا صفر لگایا اور پوچھا یہ کیا ہے؟ تو جواب آیا کہ یہ (۰۰۱) صفر صفر

اعشاریہ ایک (یعنی سوواں حصہ) (1/100) پھر تیسرا صفر لگایا اور پوچھا یہ کیا ہے؟ تو جواب آیا (۰۰۰۱) صفر صفر صفر اعشاریہ ایک (یعنی ہزارواں حصہ)(1/1000) گویا جتنے بھی صفر بائیں جانب لگاتے جاؤ گے، قیمت گھٹتی جائے گی۔

پھر فرمایا کہ پہلی مثال سنت کی ہے، اور دوسری مثال بدعت کی ہے۔سنت میں ثواب بڑھتا جائے گا اور بدعت میں گھٹتا جائے گا۔

عمل کی قبولیت کے لیے……:

بہت سی مرتبہ آدمی میں اخلاص تو ہوتا ہے، اس کی نیت تو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنا ہوتی ہے، لیکن عمل کا طریقہ وہ نہیں ہوتا جو حضور ﷺ کا بتلایا ہوا ہے، اس لیے وہ کام بے کار ہو جاتا ہے۔اسی کو ''اتباع'' سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی کو ''صدق'' بھی کہا جاتا ہے۔کسی بھی عمل کی قبولیت کے لیے ایمان، اخلاص اور صدق کی ضرورت ہے۔

علم کی لذت؛ صحبتِ صالحین:

اسی اخلاص اور صدق کو حاصل کرنے کے لیے اہل اللہ اور صالحین کی صحبت اختیار کی جاتی ہے۔ورنہ پوری زندگی آدمی علم کی خدمت کرتا ہے اور نتیجہ وہی ہوتا ہے جو قاری، سخی اور شہید کے ساتھ کیا گیا تھا۔اس لیے ضرورت ہے کہ اس نوع کی کوششوں میں لگے رہیں۔

حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ- جو حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلفا میں سے ہیں- فرماتے ہیں: علم کی صورت کتابوں سے آتی ہے، علم کی حقیقت عمل سے آتی ہے اور علم کی لذت صحبتِ صالحین سے حاصل ہوتی ہے۔آج کل ہم سب ۹-۱۰ سال پڑھتے تو ہیں، لیکن اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنے کے لیے ہمارے پاس ۹/ مہینے بھی

نہیں ہوتے۔ضروری نہیں کہ ان سے باقاعدہ رابطہ رکھا جائے، بلکہ صرف ان کے پاس آتے جاتے رہنا بھی مؤثر ثابت ہوگا۔

ہم تو ڈوبے ہیں صنم......ایک المیہ:

آج کل ہمارا ماحول بہت برا ہوگیا ہے، بدگمانی، تنقید و تنقیص عام ہے۔ایک آدمی فلاں بزرگ سے بیعت ہے، اب وہ جس ماحول میں رہتا ہے، وہاں چاروں طرف ایسے اشخاص ملتے ہیں جو کہتے ہیں: ''تیرے شیخ تو ایسے ہیں......ویسے ہیں'' اس کا ایسا برین واش (Brain Wash) کرتے ہیں کہ اس بے چارے کے دل میں بدگمانی نہ پیدا ہوتی ہو تب بھی ہوجائے اور جہاں بدگمانی پیدا ہوئی وہ اپنے شیخ کے فیض سے محروم ہوجائے گا۔

آج کل طلبہ کا بھی یہی مزاج بن گیا ہے، وہ اپنے اساتذہ کی برائی کرتے رہتے ہیں۔لہٰذا دل میں اپنے استاذ کی جو عقیدت ہونی چاہیے وہ ختم ہوجاتی ہے، جب عقیدت ختم ہوجاتی ہے تو فیض کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔فیض تو عقیدت اور محبت دو چیزوں سے آتا ہے۔ ہر جگہ ایسے لوگ ملیں گے جو اس کا مصداق ہوتے ہیں: ؏

ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ شیخ کی خدمت میں جانے سے پہلے اپنے مزاج کو بدلنے کی ضرورت ہے۔میرے پاس بھی فضلا اپنی تعلیم ختم کرکے آتے ہیں تو میں ان سے یہی کہتا ہوں کہ پہلے اپنے کام میں مشغول ہوجاؤ۔اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ یہاں رہ کر کچھ کریں گے نہیں۔اور اگر کچھ کرتے بھی ہیں تو شیطان مہینہ ختم ہونے سے پہلے یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ تیرا وقت یہاں برباد ہو رہا ہے۔ایسے وسوسے کا شکار ہو اس سے پہلے ہی

ہم اس کو کام میں لگا دیتے ہیں۔

یہ چیز مہلک ہے:

اب تو لوگوں کی عادت سی ہو گئی ہے کہ دیکھتے ہیں، شیخ کے پاس فلاں شخص آئے، ان کا شیخ نے اٹھ کر بڑی شان سے استقبال کیا، بٹھایا، ان کے لیے شربت اور چائے بنوائی، ناشتہ بنوایا اور مجھے تو روزانہ یہی ملتا ہے۔ ہمارے یہاں خانقاہ میں بھی جو لوگ آتے ہیں ان میں بھی اچھی خاصی تعداد وہی ہوتی ہے جو صرف یہی دیکھتی ہے کہ کس کو معتکف میں بلایا؟ کس کو مخصوص دستر خوان پر بٹھایا؟ ارے بھائی! تم اپنا کام کرو! کسی کو دستر خوان پر بٹھانا یہ اس بات کی علامت نہیں ہے کہ یہ مقرب ہے۔ یہی چیزیں ہلاکت میں ڈال دیتی ہیں۔

......ورنہ کچھ ہاتھ نہیں آتا:

آپ نے کِتَابُ الْإِیمَان میں پڑھا ہوگا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال تقسیم کیا، سب کو دیا لیکن ایک آدمی کو چھوڑ دیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ پکا مؤمن تھا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے اسے چھوڑ دیا؟ وہ تو مؤمن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَوْ مُسْلِماً؟ پھر کچھ دیر بعد میں نے پھر وہی سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا۔ پھر سوال کیا اور آپ نے وہی جواب دیا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اے سعد! کیا تم مجھ پر زبردستی کرنا چاہتے ہو؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو! میں نے سب کو مال تقسیم کیا اور اسے چھوڑ دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے نزدیک وہ سب پکے مؤمن ہیں اور یہ کم ایمان والا ہے۔ نہیں! بلکہ بسا اوقات ایسا

ہوتا ہے کہ کسی آدمی کو نہ دیں گے تو وہ پھسل جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دیں گے (اس لیے اس کو دیا جاتا ہے)[۱] دوسرے کو نہ دینے میں کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا دینا اس بات کی علامت نہیں ہے کہ وہ زیادہ محبوب ہے۔

بہر حال! حاصل یہ ہے کہ مشائخ کی خدمت میں جانے سے پہلے اپنے مزاج کو بدلنے کی ضرورت ہے ورنہ فیض سے محرومی کے سوا کچھ ہاتھ آتا نہیں۔

آخر کچھ تو بات ہے......:

ہمارے حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ میں نے اپنے لیے خاص طور پر عرض کیا تھا کہ دور رہ کر کبھی کبھی آجایا کریں تو کیسا؟ حضرت نے فرمایا کہ اس زمانے میں یہی زیادہ مؤثر ہے۔

ہر مہینے میں ۱-۲ دن کام سے چھٹی لے کر جایا کریں۔ رمضان میں اعتکاف میں جایا کریں۔ ورنہ مستقل رہیں گے تو وہاں رہنے کی صورت میں ایسی شکلیں پیدا ہوں گی جس کے نتیجے میں اپنے شیخ سے بدگمانی کا شکار ہوگا اور فیض سے محروم ہوگا۔ میرے نزدیک اور میری تحقیق کے مطابق اس طرح کرنے سے فائدہ زیادہ ہوتا ہے۔

بہر حال! یہ چیز ضروری ہے، اس کے بغیر آپ کے علم میں جان نہیں پیدا ہو سکتی۔ آخر کچھ تو بات ہوگی کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ علم کے اتنے اونچے مقام پر فائز ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی بیعت کا تعلق حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قائم کیا جو عرفی طور پر عالم بھی نہیں تھے، بلکہ صرف شرح جامی، شرح وقایہ تک پڑھے ہوئے تھے۔

---

(۱) صحیح البخاري (۲۷، ۱۴۷۸).

پہلی اور آخری کتاب میں ربط:

اس کتاب کی پہلی کتاب کِتَابُ الْاِیْمَان ہے۔اس کتاب میں انہوں نے بہت سے وہ کمالات،خوبیاں اور صفات جو ایمان میں پائی جاتی ہیں ان کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مثبت پہلو سے مختلف ابواب قائم کیے تھے۔اسی کِتَابُ الْاِیْمَان کو یہاں کتاب التوحید کے نام سے دوسرے انداز سے پیش کر رہے ہیں،حالاں کہ ایمان اور توحید میں کوئی منافات نہیں ہے؛ جو ایمان ہے وہی توحید ہے۔البتہ ان کے پیشِ نظر وہ چیزیں ہیں جو ایمان کے مناسب نہیں ہیں۔فرقِ باطلہ نے ایمان میں وہ چیزیں لازم قرار دیں جو نہیں ہونی چاہیے تھیں،جن کا رَد اور نفی کرنی چاہیے،ان کو اس کتاب میں ذکر کیا ہے۔گویا ایمان میں منفی پہلو سے بحث کی ہے۔جہاں سے شروع کیا تھا (کِتَابُ الْاِیْمَان سے) وہیں ختم کر رہے ہیں(کِتَابُ الْاِیْمَان پر)مَا النِّهَایَة؟اَلْعَوْدُ اِلَی الْبِدَایَةِ (انتہا کیا ہے؟ابتدا کی طرف لوٹ کر آنا)۔

آپ نے کسی مقصد سے اُدگاؤں سے دہلی کا سفر کیا۔جب آپ اپنا کام نمٹا کر ادگاؤں واپس آ جائیں گے،تب آپ کا سفر مکمل ہو جائے گا۔جہاں سے ابتدا کی تھی، وہیں پر انتہا ہوئی۔قرآن پاک جب ختم کرتے ہیں تو والناس پر ختم نہیں کرتے، بلکہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ پر ختم کرتے ہیں۔یہ علامت ہے اس بات کی کہ پورا قرآن مکمل ہو چکا ہے۔اسی طرح ہر چیز کا یہی حال ہے۔

بہر حال! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کِتَابُ الْاِیْمَان سے شروع کی تھی اور کِتَابُ الْاِیْمَان پر ہی ختم کر رہے ہیں۔یہ کتاب کے اعتبار سے مناسبت ہو گئی۔

پہلے اور آخری باب میں ربط:

پہلا باب "باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ" تھا (نبی کریم ﷺ پر وحی کی شروعات کیسے ہوئی؟) وحی وہ چیز ہے جس سے بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک تعلق قائم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر انبیاء کرام علیہم السلام پر وحی نہ بھیجتا تو انسانوں کو کیسے پتہ چلتا کہ اللہ کون ہے؟ جنت و دوزخ کیا ہے؟ آخرت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی نے فضل و رحم فرما کر حضرات انبیا علیہم السلام پر فرشتوں کے ذریعے وحی بھیجی اور انہوں نے اللہ کی ذات سے اور دوسری ضروری چیزوں سے دوسرے انسانوں کو واقف کرایا۔ گویا ابتدا انسان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق سے ہوتی ہے اور انتہا وہاں جا کر ہوتی ہے جب حساب کتاب ہوگا اور جن کی نیکیاں غالب ہوں گی وہ جنت میں اور جن کے گناہ غالب ہوں گے وہ جہنم میں جائیں گے۔ اس طرح پہلے اور آخری باب میں مناسبت ہو جائے گی۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس باب کے لانے کا مقصد تلاوت اور متلو کے درمیان فرق کو واضح کرنا ہے۔ (۱) قیامت میں جب تمام اعمال تولے جائیں گے، اسی میں تلاوتِ قرآن کو بھی تولا جائے گا۔ تو پہلے باب میں بھی وحی کا تذکرہ تھا اور آخری باب میں بھی قرآن (وحی) کا تذکرہ ہو گیا۔ اس اعتبار سے پہلے اور آخری باب میں مناسبت پیدا ہو جائے گی۔

پہلی اور آخری حدیث میں ربط:

سب سے پہلی روایت إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ پیش کی تھی، جس میں اخلاص کی

(۱) علامہ ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الصوّاعق المرسلة على الجهمية والمُعطّلة میں اس مسئلے کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے، نیز علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فيض الباري میں اس باب سے ماقبل متصل چند ابواب میں اس بات کو الفرق بين الوارد والمورِد کہہ کر بیان کیا ہے۔

طرف اشارہ تھا۔اور کوئی بھی آدمی؛ جب کسی عمل کو انجام دینا چاہتا ہے، تو اس کا ارادہ سب سے پہلے اس عمل کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اسی کو نیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بندے کے اعمال کی ابتدا نیت سے ہوتی ہے۔اور بندوں کے اعمال کا اخیری معاملہ جو قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہوگا، وہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں کے اعمال کو ترازو میں تولیں گے، اور اُسی کے مطابق لوگ جنت یا جہنم میں جائیں گے۔ الغرض سب سے پہلی چیز نیت تھی، اور سب سے آخری چیز قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اعمال کا وزن ہے۔ اِس اعتبار سے اِس کتاب کی آخری حدیث کو پہلی حدیث کے ساتھ مناسبت ہو جائے گی۔

پہلی اور آخری حدیث کے صحابی میں ربط:

پہلی حدیث کے صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو مہاجرین میں سے ہیں۔ اور آخری حدیث کے روای حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، وہ بھی مہاجرین میں سے ہیں۔ گویا بتلا رہے ہیں کہ آپ کو علم حاصل کرنے کے لیے ہجرت کرنی پڑے گی۔ ہجرت عن الوطن، ہجرت عن المرغوبات اور ہجرت عن المعاصی کرنی پڑے گی، تب ہی آپ کو علم کی حقیقت حاصل ہوگی۔

پہلی اور آخری حدیث کی اسناد میں ربط:

پہلی حدیث کی سند- حَدَّثَنَا الحُمَيْدِيُّ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ الأَنْصَارِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ إلخ . . . -غریب ہے؛ یعنی اس کے رواۃ تواتر کو نہیں پہنچے ہیں۔اور آخری حدیث کی سند- حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ إِشْكَابَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ،

عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، إلخ ... -بھی غریب ہے۔اس طرح دونوں غریب حدیث لاکر بتلانا چاہتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لیے آدمی کو غربت اور بے وطنی اختیار کرنی پڑتی ہے۔

پہلی اور آخری حدیث کے استاذ میں ربط:

پہلی حدیث کے استاذ کا نام حمیدی ہے اور آخری حدیث کے استاذ کا نام احمد ہے۔ دونوں اساتذہ کے نام کا مادہ حمد ہے۔لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ (القصص:٧٠) شروع میں بھی اللہ کی حمد ہے اور اخیر میں بھی۔اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر آپ کا کام محمود ہے اور نیت بھی محمود ہے، تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ آپ کو ''دار الحمد'' (جنت) میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

پہلے اور آخری حدیث کے متن میں ربط:

پہلی حدیث کا متن إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ہے۔آدمی کے عمل کا سب سے پہلا قدم نیت ہے۔اور اس کے عمل کا آخری معاملہ روز قیامت وزن کا ہوگا۔گویا اس طرح اول کو آخر کے ساتھ مناسبت ہے۔

بہر حال یہ تو وہ مناسبتیں اور نکات ہیں جو شراح نے بیان فرمائے ہیں۔ضروری نہیں کہ مصنف کے دماغ میں بھی یہ سب چیزیں ہوں۔بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ کیا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب چیزوں کو سامنے رکھ کر یہ کتاب لکھی تھی؟ نہیں بھائی! ایسا نہیں ہے، یہ تو نکتہ بعد الوقوع کے قبیل سے ہیں۔

الوداعی نصیحت:

اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو علم حاصل کرنے کا موقع دیا، یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے، اس کی قدر کرو، اور جو کچھ بھی سیکھا ہے اس کو اللہ کے دوسرے بندوں تک پہنچانے کا اہتمام بھی کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت آپ نے کتاب العلم میں پڑھی ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہت سارے لوگ یہ کہتے تھے کہ ابو ہریرہ بہت روایتیں بیان کرتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے مہاجر بھائی تو تجارت میں مشغول رہتے، میرے انصاری بھائی کھیتی - باڑی اور زراعت میں مشغول رہتے، اور ابو ہریرہ چوبیس گھنٹے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لگا رہتا۔ بہت سی باتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے، میں ان کی غیر حاضری میں حاصل کرتا تھا اور اگر قرآن کریم کی یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کبھی بھی روایتیں بیان نہ کرتا:

کتمانِ علم کی وعید:

(۱) إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (البقرة: ۱۵۹) (جو لوگ چھپاتے ہیں ان صاف صاف احکام کو اور ہدایات کو جو ہم نے لوگوں کے لیے اس کتاب میں بیان کی، یہ ملعون ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے فرشتے ان پر لعنت کرتے ہیں)۔

(۲) إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ

الرَّحِيْمُ (البقرۃ:۱۶۰) البتہ جو لوگ اپنی اس غلط حرکت سے باز آ گئے اور اپنا حال ٹھیک کر لیا اور ان احکام کو بیان کرنا شروع کر دیا، ان کو میں معاف کر دوں گا اور میں بڑا رحم کرنے والا ہوں۔ [1] ان دو آیتوں میں صرف قرآن کی تبیین ہی کا حکم نہیں، بلکہ حدیثِ رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی حکم ہے۔

وضو کرو؛ گناہ معاف:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت آپ نے کتاب الوضوء میں پڑھی ہوگی کہ انہوں نے پانی منگوایا اور وضو کر کے بتلایا، پھر حضور ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا: جس نے اس طرح وضو کیا جس طرح میں نے کیا، اور دو رکعت اس طرح نماز پڑھی کہ ان کے دوران اپنے جی سے باتیں نہیں کیں، تو اس کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اسی موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن پاک کی یہ آیت إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ إلخ... نہ ہوتی تو میں ایسا نہ کرتا۔ [2]

......تبھی ملقب بہ خَيْرُكُمْ ہوں گے:

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهٗ (تم میں سب سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو خود بھی سیکھے اور دوسروں کو بھی سکھائے) [3] حدیث میں صرف تعلّم کا بیان نہیں ہے، بلکہ عَلَّمَهٗ بھی ساتھ میں ہونا چاہیے، تب ہی خَيْرُكُمْ کے لقب سے آپ ملقب ہوں گے۔ ہر صحابی کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ جو کچھ میں نے نبی کریم ﷺ

(۱) صحيح البخاري (۱۱۸، ۲۵۳۰)

(۲) صحيح البخاري (۱۵۹).

(۳) صحيح البخاري (۵۰۲۷).

سے سنا وہ سب میں دوسروں تک پہنچادوں۔

کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا:

آپ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث پڑھی ہوگی کہ انہوں نے موت کے وقت لوگوں کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ جتنی بھی باتیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنی وہ سب میں آپ کو پہنچا چکا ہوں، سوائے ایک بات کے، اور اسی کو سنانے کے لیے میں نے ابھی آپ سب کو بلایا ہے۔[1] یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ (جو لوگ موجود ہیں وہ ان باتوں کو ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں؛ پہنچائیں)[2] پر پورا پورا عمل کیا۔

کیا ہماری جماعت میں سے کوئی آدمی اس بات کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں نے جتنا بھی علم حاصل کیا ہے وہ سب کچھ میں نے آگے پہنچادیا؟ کتنی ہی استعداد والا طالب علم کیوں نہ ہو، وہ اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

اپنے مشاغل کے ساتھ تدریس:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت آپ نے کتابُ الْمَسَاجِد میں پڑھی ہوگی کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے علی اور اپنے شاگرد عکرمہ سے کہا کہ جاؤ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس اور ان سے علم حاصل کرو۔ یہ بھی ہمارے لیے بڑی عبرت کی چیز ہے۔ آج کل تو ہمارا حال یہ ہوگیا کہ ہمارا شاگرد کسی اور کے پاس چلا جائے وہ

---

(۱) صحيح البخاري (۱۲۸) صحيح مسلم (۳۲/۵۳)

(۲) مسند أحمد (۲۰۳۶، ۲۰۳۸۷، ۲۰۴۰۲، ۲۳۱۰۲، ۲۷۱۶۴) و صحيح البخاري (۱۷۳۹، ۱۷۴۱، ۷۰۷۸) و صحيح مسلم (۱۶۷۹/۳۰) وغيرها.

بھی ہمیں برداشت نہیں۔ جب یہ دونوں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو وہ اپنے باغ میں کھجور کے درختوں کو پانی پلا رہے تھے (پوچھا کیسے آنا ہوا؟ جواب دیا: ہم آپ سے حدیث حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی فوراً پانی پلانے کا کام چھوڑ کر) آپ نے چادر لی، گوٹ مار کر بیٹھ گئے اور حدیث سنانے لگے۔ اسی حدیث کے سبق میں وہ حدیث بھی آئی جس میں مسجد نبوی کی تعمیر کا ذکر ہے......(۱) بہر حال کہنے کا حاصل یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے مشاغل کے ساتھ ساتھ تدریسی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔

گورنری بھی، درسِ حدیث بھی:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بصرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے گورنر تھے اور روزانہ گورنری کے ساتھ ان کا درس کا حلقہ بھی لگتا تھا۔ حضرت ابو جمرہ رحمہ اللہ والی روایت اسی موقع کی ہے۔ چوں کہ وہ عراق کا علاقہ تھا جو پہلے فارس کے ماتحت رہا تھا، وہاں کے لوگوں کی زبان فارسی تھی، وہ عربی نہیں جانتے تھے۔ ابو جمرہ رحمہ اللہ ان دونوں کے درمیان ترجمانی کا کام کرتے تھے۔ میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ گورنر ہونے کے باوجود روزانہ حدیث کا درس دیتے تھے۔

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پڑھی ہوگی کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ يَأْخُذُ عَنِّي هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فَيَعْمَلُ بِهِنَّ، أَوْ يُعَلِّمُ مَنْ يَعْمَلُ بِهِنَّ؟ (کون ہے جو مجھ سے ان باتوں کو سیکھے اور اس کو ایسے آدمیوں کو بتلائے جو اس پر عمل کرنے والا ہو)(۲) خود بھی عمل کرو اور دوسرے عمل کرنے والے بندوں تک پہنچاؤ۔

---

(۱) صحيح البخاري (۴۴۷).

(۲) سنن الترمذي (۲۳۰۵).

......تو میں ایسا کروں گا:

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا ارشاد آپ نے کتَابُ الْعِلْم میں پڑھا ہوگا کہ ایک مرتبہ رمی جمار کے موقع پر کسی نے ان سے مسئلہ پوچھا اور وہ بتلانے لگے، تو کسی نے ان سے کہا کہ آپ کو تو امیر المؤمنین نے مسئلہ بتلانے سے منع کیا ہے، تو آپ کیوں بتلا رہے ہیں؟ تو جواب میں فرمایا کہ اگر میری گردن پر تیز تلوار رکھ دی جائے اور مجھے یقین ہو کہ تلوار چلانے سے پہلے پہلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سنا دوں گا تو میں ایسا کروں گے۔ (۱)

وفد عبد القیس کی روایت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں متعدد مرتبہ ذکر کی ہے کہ انہوں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا عرض کیا تھا کہ آپ ہمیں ایسی دوٹوک بات بتلائیں کہ جس پر عمل کر کے ہم جنت میں داخل ہوں اور اپنے پیچھے ہم جن لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہیں ان کو بھی بتلائیں۔ (۲)

علم برائے عمل:

پہلا درجہ تو علم کے حق کا یہ ہے کہ اس پر ہم خود عمل کریں۔ پہنچانا تو دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ”آج کل جب ہم اپنے طلبہ سے پوچھتے ہیں کہ تم علم کیوں پڑھتے ہو؟“ تو جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں تک یہ باتیں پہنچائیں گے۔ ٹھیک ہے! یہ بھی ہونا چاہیے لیکن پہلے اپنی تو فکر کرو۔ اسلام میں علم برائے علم کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ علم برائے عمل ہونا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہے:

---

(۱) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بَابُ الْعِلْمِ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَل کے تحت اس اثر کو ذکر کیا ہے۔

(۲) صحیح البخاري (۵۳، ۸۷، ۵۲۳، ۱۳۹۸ وغیرها)

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا (اے اللہ میں تجھ سے علم نافع کا سوال کرتا ہوں) وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ (اے اللہ میں تجھ سے ایسے علم سے پناہ چاہتا ہوں جو نافع نہ ہو)۔ (۱)

علم نافع کون سا؟

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگردان کی خدمت میں رہے اور علم حاصل کیا۔ اور جب حصول علم کے بعد جانے لگے تو عرض کیا کہ حضرت! آپ سے تو میں نے بہت علم حاصل کیا لیکن اب کچھ جامع نصیحت بہ طور خلاصہ بتلا دیجیے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے أَيُّهَا الْوَلَدُ کے نام سے ایک خط لکھ کر بھیجا جس کا اردو ترجمہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے "امام غزالی کا خط" کے نام سے کیا اور ماضی قریب میں حضرت مولانا قمر الزمان صاحب دامت برکاتہم نے اسے شائع بھی کیا ہے۔

اس خط میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس شاگرد کو بہت ساری نصیحتیں فرمائی۔ اس میں علم نافع کی علامت بتلائی ہے: "جو علم تم کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہیں روکتا، وہ آخرت میں تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں روکے گا۔" (۲)

اسلاف والی تاثیر کیوں ختم ہوگئی؟:

طلبہ میں پڑھنے کے زمانے میں عام طور پر ایک بہت بڑی غلط فہمی ہوتی ہے کہ ابھی تو پڑھ لو، بعد میں عمل کریں گے۔ حالاں کہ اسلام نے علم اور عمل میں کوئی تقدم و تأخر نہیں رکھا ہے۔ ہاں رتبے کے اعتبار سے تو تقدم و تأخر ہے، علم پہلے اور عمل بعد میں جیسا کہ آپ

---

(۱) السنن الكبرى للنسائي (۷۸۱۸) وصحيح ابن حبان (۱/ ۲۸۳) [۸۲] والمعجم الأوسط للطبراني (۷۱۳۹، ۹۰۵۰).

(۲) أَيُّهَا الْوَلَد (ص: ۱۰۹)

نے کتاب العلم میں پڑھا ہوگا: بَابُ الْعِلْمِ قبلَ القوْلِ وَالْعَمَل ۔امام بخاری رحمہ اللہ نے باقاعدہ باب قائم کیا ہے۔لیکن یہ تو رتبے کے اعتبار سے ہے، ورنہ وجود کے اعتبار سے دونوں میں تلازم ہے۔ پڑھتے ہی فوراً عمل کا سلسلہ شروع ہو جانا چاہیے۔تب ہی یہ علم محفوظ، کارآمد اور مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ جیسے یہاں رہ کر آپ نے اپنی ظاہری وضع قطع، تراش خراش کو صالح مؤمن جیسا بنانے کا اہتمام کیا، ویسے ہی اپنے اخلاق، معاشرت، معاملات کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اسلاف کو اللہ تعالیٰ نے جو تاثیر عطا فرمائی تھی، وہ آج نظر نہیں آتی۔اس کی وجہ یہی ہے کہ اصل عمل تھا جو آج ہمارے ہاتھ سے چھوٹتا چلا جا رہا ہے۔اور خالی علم بغیر عمل کے تو ہمارے خلاف حجت بن جائے گا۔اس لیے اس کا خوب اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔اور اس کے لیے وہی بات ضروری ہے جو میں نے ابھی عرض کی؛ کہ اپنے آپ کو کسی اللہ والے سے مربوط رکھیں۔

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ:

جو ٹہنی درخت سے لگی ہوئی ہے، وہ اگرچہ موسم خزاں میں ایسی معلوم ہوتی ہے کہ وہ خشک ہو چکی ہے۔لیکن چوں کہ وہ درخت سے لگی ہوئی ہے اس لیے جب موسمِ بہار آئے گا، وہ دوبارہ ہری بھری ہو جائے گی۔لیکن جو کٹ چکی ہے، درخت سے الگ ہوگئی ہے، چاہے جتنا ہی ہرا بھرا موسم ہوگا، وہ مرجھا کر ختم ہو جائے گی۔اس لیے اپنے اساتذہ، مربی اور اہل اللہ سے رابطہ قائم رکھنا چاہیے۔ان کے مشوروں سے کام کیجیے اور ہر وقت دین کی خدمت کے جذبے کے ساتھ عمل میں لگے رہیے۔

ہمارا کام تو پڑھانا ہے:

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مرادآباد جیل میں تھے، ان کی ملاقات کے لیے حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔ گفتگو کے دوران قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آج کل آپ کا کیا مشغلہ ہے؟ فرمایا: یہاں قیدیوں کو قاعدۂ بغدادی پڑھاتا ہوں۔ حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: دارالعلوم میں تو آپ بخاری شریف پڑھاتے تھے اور یہاں قاعدۂ بغدادی پڑھانے لگے؟ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ہمارا کام تو پڑھانا ہے، بخاری پڑھنے والے آئیں گے تو ان کو بخاری پڑھائیں گے، قاعدۂ بغدادی پڑھنے والے آئیں گے تو ہم ان کو قاعدۂ بغدادی پڑھائیں گے۔

آج کل ہم نے اپنے لیے ایک مقام طے کرلیا ہے کہ اگر اس درجے کی فلاں کتاب مجھے دی جائے گی تب ہی میں تدریسی خدمات انجام دوں گا، ورنہ نہیں۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔

ایک صاحب کا خط اور فقیہ الامت کا فقیہانہ جواب:

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ کو ایک صاحب نے خط لکھا جن کے پاس پہلے بخاری شریف کی جلد اول تھی، پھر انتظامیہ نے جلد اول لے کر جلد ثانی ان کو تدریس کے لیے دی، بس اس کی وجہ سے وہ ناراض ہوگئے۔ اس خط میں وہ لکھتے ہیں: ’’میری توہین کی گئی۔ میرے ساتھ بڑی زیادتی کی گئی۔ میں اب تک بخاری شریف کی جلد اول پڑھاتا تھا وہ لے کر اب مجھے جلد ثانی دی گئی۔‘‘ حضرت نے جواب میں لکھوایا: امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے جلد اول کو ترتیب دی، پھر جلد ثانی کو۔ تو کیا ایسی بات تھی کہ جب تک جلد اول کو ترتیب

دی، اس وقت تک ان کا مقام و رتبہ بلند رہا اور جب جلد ثانی کو ترتیب دی تو ان کا مقام و مرتبہ گھٹ گیا؟

حضرت ڈاکٹر عارفی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم نے نقل کیا ہے کہ کتابوں سے آپ کو ظاہری علم ملے گا، عمل سے آپ کو علم کی برکات حاصل ہوں گی اور کسی اللہ والے کی خدمت میں رہنے سے آپ کو علم کی روح حاصل ہوگی۔

خودرائی: ایک المیہ:

اس زمانے میں خاص طور پر جو نئے فارغین ہوتے ہیں ان میں خود رائی کا مرض عام ہوگیا ہے۔ حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ فتنے کا زمانہ ہے اور فتنہ خودرائی والے آدمی کو سب سے پہلے اُچکتا ہے۔ اپنے آپ کو کسی کے تابع بنا کر رکھو اور ان کے مشورے پر عمل کرو۔ ہم مشورہ لینے میں بھی چال بازیاں کرتے ہیں۔ ہم مولوی چوں کہ دفع دخل مقدر خوب جانتے ہیں، اس لیے جانتے ہیں کہ میں یوں بات پیش کروں گا تو اس طرح جواب ملے گا اور یوں کہوں گا تو یہ جواب ملے گا۔ یہ نہیں ہونا چاہیے۔ ساری حقیقت بیان کر دی جائے، ذرہ برابر چھپایا نہ جائے، پھر جو بات کہی جائے اس پر عمل کیا جائے، چاہے ان کی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے، پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کیسے نوازتے ہیں۔

یہ طریقہ نہیں ہونا چاہیے:

ہمارے ایک دوست تھے، ان کو بیرون جانا تھا، وہ یہاں اچھی خدمات انجام دے رہے تھے۔ ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے مشورہ کیا، بعد میں آ کر کہا کہ حضرت نے اجازت مرحمت فرما دی۔ بعد میں حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے عرض کیا گیا کہ آپ

نے فلاں صاحب کو یہ اجازت دی، حالاں کہ وہ یہاں اچھا کام کررہے ہیں۔ حضرت نے ایک جملہ فرمایا: ''وہ یہ چاہتے تھے کہ میں ان کو اجازت دے دوں''۔ بہت سی مرتبہ آدمی بہت اچھی دین کی خدمت کرتا ہے، اور ان کو انگلینڈ، افریقہ سے بھی بلاوے آتے ہیں، ان کو تو جانا ہی جانا ہے لیکن وہ جانتے ہیں کہ اگر میں ایسے ہی چلا جاؤں گا، تو یہاں متعلقین کہیں گے کہ یہاں اتنا اچھا دین کا کام ہورہا تھا، آپ چھوڑ کر کیوں جارہے ہیں۔ تو کوئی اچھا بہانہ تو ہونا چاہیے، اس غرض سے اپنے شیخ کی خدمت میں اس انداز سے آکر حالات پیش کرتے ہیں کہ اجازت دیں تو لوگوں کو یہ کہہ سکے کہ ''ہمارے شیخ کے حکم سے جا رہا ہوں۔'' حالاں کہ شیخ کو پوچھیں گے تو کہیں گے کوئی حکم نہیں تھا، وہی چاہ رہا تھا کہ میں اسے اجازت دوں۔ اس لیے یہ طریقہ نہیں ہونا چاہیے۔ ایسا کریں گے تو آپ کے علوم میں برکت ہوگی اور آپ کی ذات سے اللہ تعالیٰ سینکڑوں لوگوں کو ہدایت عطا فرمائیں گے۔

فراغت کا مطلب:

آپ ابھی فراغت حاصل کررہے ہیں۔ فراغت کا مطلب یہ نہیں کہ اب آپ علم سے فارغ ہوگئے۔ نہیں! بلکہ اب تو اصل علمی زندگی کی شروعات ہورہی ہے۔ یہ نصاب جو ہمارے اکابر رحمہ اللہ علیہم نے مقرر کیا ہے، اس کا اصل مقصد تو یہ ہے کہ آدمی اس نصاب کو پڑھ لے تو اس کے بعد اس میں اتنی صلاحیت آجائے کہ وہ اپنے طور پر کتابوں کا مطالعہ کرسکے۔ اب اگر مطالعے کے دوران کوئی رکاوٹ آئے تو اپنے اساتذہ سے رجوع کریں۔

حصولِ علم کی مدت:

مشہور مقولہ ہے کہ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مَنَ الْمَهْدِ إلی اللَّحْدِ (گہوارے سے قبر تک علم

حاصل کرو) یعنی پیدائش سے موت تک یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے۔ اور جو آدمی اپنے آپ کو ہمیشہ طالب علم سمجھتا رہے گا، وہی حقیقی علم سے مزین ہوگا۔ ورنہ جو آدمی اپنے آپ کو کامل و مکمل سمجھے وہ کبھی بھی علم میں ترقی نہیں کرسکتا۔ جو برتن بھرا ہوا ہو، اس میں کبھی بھی کوئی نئی چیز داخل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے ہم اپنے آپ کو ہمیشہ خالی سمجھتے رہیں، تاکہ علوم کے فیوض کا ورود آپ کے قلوب پر ہوتا رہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم نافع عطا فرمائے اور علم غیر نافع سے ہم سب کی پوری پوری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين



علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانش مند
چار پایہ بر و کتابے چند
آں تہی مغز را چہ علم و خبر
کہ برو ہیزم است یا دفتر

(گلستانِ سعدیؔ)

فہرستِ قرآنی آیات

فہرستِ احادیثِ نبویہ وآثار



أهل الحديث هم أهل النبي وإن
لم يصحبوا نفسه أنفاسه صحبوا



فہرستِ اعلام

۱۷	علامہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ	۳۸
۱۸	حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ	۱۹، ۲۴، ۶۶
۱۹	علامہ ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ	۳۵، ۳۶
۲۰	حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ	۲۹
۲۱	علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ	۵۲
۲۲	احمد بن اشکاب رحمۃ اللہ علیہ	۵۰
۲۳	امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ	۲۰، ۲۱، ۲۲، ۴۲
۲۴	حضرت شاہ اسحاق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۲
۲۵	حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۶۱
۲۶	حضرت امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۶
۲۷	حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۶۴
۲۸	علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ	۱۹، ۲۴، ۶۶
۲۹	بردزبہ	۱۳
۳۰	حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ	۱۶، ۴۱
۳۱	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیۃ	۵۹، ۷۳، ۷۷
۳۲	حضرت جابر رحمۃ اللہ علیہ	۴۵
۳۳	حضرت جبریل علیہ السلام	۳۴

۵۲	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۴۳،۴۶،۷۱،۷۲
۵۳	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	۱۲،۱۳
۵۴	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۳۹
۵۵	حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۲
۵۶	حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ	۶۱،۷۷
۵۷	حضرت مولانا عبدالعزیز دعاجو رحمۃ اللہ علیہ	۶۰
۵۸	حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۱۲
۵۹	حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ	۱۲
۶۰	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ	۷۰
۶۱	عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ	۷۱
۶۲	حضرت علی رضی اللہ عنہ	۴۰،۷۲
۶۳	علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ	۴۲
۶۴	علی بن عبداللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ	۷۱
۶۵	حضرت عمر رضی اللہ عنہ	۳۴،۶۷
۶۶	حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	۷۴
۶۷	قابسی رحمۃ اللہ علیہ	۴۴
۶۸	قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ	۵۰
۶۹	حضرت مولانا قمرالزمان صاحب دامت برکاتہم العالیہ	۷۴

فہرستِ الفاظ

مصادر ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	طبع
۱	الأبواب والتراجم	دار البشائر الإسلامية، بيروت
۲	الأدب المفرد	دار البشائر الإسلامية، بيروت
۳	أيها الولد	دار البشائر الإسلامية، بيروت
۴	تاريخ الإسلام للذهبي	دار الغرب الإسلامي، بيروت
۵	تاريخ بغداد للخطيب	دار الغرب الإسلامي، بيروت
۶	تاريخ دمشق لابن عساكر	دار الفكر، بيروت
۷	التذكرة للقرطبى	مكتبة دار المنهاج، الرياض
۸	ترجمة الإمام البخاري للذهبي	مؤسسة الريان، بيروت
۹	تفسير ابن عطية	دار الكتب العلمية، بيروت
۱۰	تفسير ابن فورك	جامعة أم القرى، السعودية
۱۱	تفسير ابن كثير	دار الكتب العلمية، بيروت
۱۲	تفسير البغوي	دار طيبة - السعودية
۱۳	تفسير الرازي	دار إحياء التراث العربي، بيروت
۱۴	تفسير القرطبي	دار الكتب المصرية، القاهرة
۱۵	تهذيب الأسماء واللغات للنووي	دار الكتب العلمية، بيروت
۱۶	تهذيب الكمال	مؤسسة الرسالة، بيروت
۱۷	جزء القاسم بن موسى	المخطوط المنشور في برنامج جوامع الكلم
۱۸	الحنائيات	أضواء السلف

۱۹	دلائل النبوة للبيهقي	دار الكتب العلمية، بيروت
۲۰	روح المعاني	دار الكتب العلمية، بيروت
۲۱	سنن ابن ماجه	دار إحياء الكتب العربية، مصر
۲۲	سنن أبي	المكتبة العصرية، بيروت
۲۳	سنن الترمذي	دار الغرب الإسلامي، بيروت
۲۴	السنن الكبرىٰ للبيبقي	دار الكتب العلمية، بيروت
۲۵	السنن الكبرىٰ للنسائي	مؤسسة الرسالة، بيروت
۲۶	سنن النسائي (الصغرىٰ)	مكتبة المطبوعات الإسلامية، حلب
۲۷	السنة لعبد الله بن أحمد	دار ابن القيم، الدمام
۲۸	سير أعلام النبلاء	مؤسسة الرسالة، بيروت
۲۹	سيرة الإمام أحمد لابنه صالح	دار الدعوة - الاسكندرية
۳۰	شرح أصول اعتقاد أهل السنة	دار طيبة - السعودية
۳۱	شرح صحيح مسلم للنووي	دار إحياء التراث العربي، بيروت
۳۲	شعب الإيمان للبيهقي	مكتبة الرشد، ممباي، الهند
۳۳	صحيح ابن حبان	مؤسسة الرسالة، ن
۳۴	صحيح ابن خزيمة	المكتب الإصلاحي
۳۵	صحيح البخاري	دار طوق النجاة
۳۶	صحيح مسلم	دار إحياء التراث العربي، بيروت
۳۷	الصواعق المرسلة لابن القيم	دار العاصمة، الرياض، السعودية
۳۸	طبقات الحنابلة للفراء الحنبلي	دار المعرفة، بيروت

۳۹	طبقات الشافعية الكبرىٰ للسبكي	دار هجر، مصر
۴۰	العرف الشذي للكشميري	دار التراث العربي، بيروت
۴۱	عقود الزبرجد للسيوطي	دار الجيل، بيروت
۴۲	فتح الباري لابن حجر	دار المعرفة، بيروت
۴۳	فيض الباري	دار الكتب العلمية، بيروت
۴۴	الكواكب الدراري	دار إحياء التراث العربي، بيروت
۴۵	مجاز القرآن لمعمر بن المثنى	مكتبة الخانجي، القاهرة
۴۶	المستدرک للحاكم	دار الكتب العلمية، بيروت
۴۷	مسند أحمد	مؤسسة الرسالة، بيروت
۴۸	مسند إسحاق بن راهويه	مكتبة الإيمان - المدينة المنورة
۴۹	مسند الشافعي	دار الكتب العلمية، بيروت
۵۰	مسند عبد الله بن عمر رضي الله عنه للطرسوسي	دار النفائس - بيروت
۵۱	مطالع الأنوار	وزارة الأوقاف، قطر
۵۲	المعجم الأوسط للطبراني	دار الحرمين، القاهرة
۵۳	المعجم الكبير للطبراني	مكتبة ابن تيمية، القاهرة
۵۴	مقدمة ابن الصلاح	دار الفكر، بيروت
۵۵	مناقب الإمام أحمد لابن القيم	دار هجر، مصر
۵۶	المنتقىٰ لابن الجارود	مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت



قال سفيان الثوري :

الملائكة حراس السماء، وأهل الحديث حراس الأرض



ادارے کی دیگر مطبوعات

نمبر شمار	اسماءِ کتب
۱	جدید معاملات کے شرعی احکام
۲	بہارِ نبوت (اول) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نمبر (انٹرنیٹ پر دستیاب ہے)
۳	بہارِ نبوت (ثانی) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمۃ اللہ علیہ نمبر
۴	برما اور عالمی حالات اپنا طرزِ زندگی درست کیجیے (اردو، گجراتی)
۵	آیئے! نماز صحیح کریں (گجراتی، اردو)
۶	علمی وعرفانی شہ پارے
۷	چراغِ سہارنپور
۸	دعا ایسے مانگیں (گجراتی، اردو)
۹	بیعت ہونے والوں کو ہدایات
۱۰	اَلْقَوْلُ الْمُبِیْن فِي ذِکْرِ الْمُجَازِ وَالْمُجِیْزِیْن
۱۱	آسان درسِ قرآن (جلد اول) (سورۂ فاتحہ اور سورۂ ناس تا قدر)
۱۲	مفتیانِ کرام سے رہنما خطاب
۱۳	نصیحت گوش کن جانا......
۱۴	أَغْلَاطُ الْعَوَامِ فِي بَابِ الْأَحْکَام
۱۵	منظومۃُ عُقُودِ رَسْمِ الْمُفْتِي
۱۶	مختصر سوانحِ مشائخِ چشت
۱۷	درسِ ختمِ بخاری
۱۸	درسِ مسلسلات؛ چند اہم یادداشتیں

DARUL HAMD RESEARCH INSTITUTE,

SODAGARWADA, SURAT - 395003

امام بخاری کی مقبولیت کا راز؛ حرام مال سے پرہیز:

امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) کے زمانے میں احادیث مبارکہ کی سیکڑوں کتابیں لکھی گئیں، کئی مصنفین ومحدثین کا اُس زمانے میں دور دورہ تھا، ایک ایک محدث کے سیکڑوں شاگرد ہوا کرتے تھے، ان سب کے باوجود جو قبولیت اللہ تعالیٰ نے امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کی کتاب کو نصیب فرمائی وہ دوسروں کے حصے میں نہیں آئی۔ اس کے اسباب ووجوہات پر نظر کرتے ہوئے علما نے ارشاد فرمایا کہ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان کے والدِ بزرگوار رحمہ اللہ نے اپنے بچے کے لیے حلال اور پاکیزہ غذا کا اہتمام کیا تھا، حرام اور مشتبہ مال سے اپنے اہل وعیال کی حفاظت فرمائی تھی، جس حلال کی برکت اتنے بڑے علمی کارنامے کے ذریعے ظاہر ہوئی۔

بخاری شریف کو أصحُّ الکتبِ بعدَ کتابِ اللہ (قرآنِ کریم کے بعد صحیح ترین کتاب) کا درجہ حاصل ہوا ہے؛ انسان کے کارنامے کو یہ درجہ حاصل ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ علما نے ارشاد فرمایا کہ اس درجے کے حاصل ہونے میں ان کے والد رحمہ اللہ کا کھانے کے سلسلے میں کمال احتیاط کو بڑا دخل ہے۔ ان کے والد رحمہ اللہ نے انتقال کے موقع پر اپنے کثیر مال کے تعلق سے ارشاد فرمایا تھا کہ لاأعلمُ مِنْ مالي دِرهماً منْ حرامٍ ولا دِرْهَماً منْ شُبْهةٍ (میرے مال میں کوئی درہم حرام تو درکنار، شبہ کا بھی نہیں ہے) (فتح الباری ۱/ ۴۷۹)

اس لیے ضرورت ہے اس بات کی ہے کہ ہر ایک اپنی آمدنی کے ذرائع پر نظر رکھے، پاکیزہ اور طیب کی تلاش میں رہے اور حرام وناپاک مال سے اجتناب کرے۔

یادداشت:

یادداشت:

یادداشت: